ISSN 2320-8600

جنوری - فروری - مارچ 2023

سہ ماہی مجلہ

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر

ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

DARUL ULOOM MOJIBIA KHANQUAH

Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA) Mob.: +91-9572860252, 7717792508

دارالعلوم مجیبیہ، پھلواری شریف کے اکابر بزرگوں اور اولیاء اللہ کی یادگار اور ہندوستان کی قدیم درسگاہ ہے۔ اس کی علمی خدمات تین صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ دارالعلوم اپنے سن قیام ۱۱۲۵ھ سے لے کر آج تک تواتر و تسلسل کے ساتھ علوم اسلامی کی ترویج و اشاعت میں لگا ہوا ہے اور الحمدللہ کسی دور میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا۔ ابتدائی فارسی درجات سے لے کر عربی کے آخری درجات، دورۂ حدیث تک یہاں تعلیم دی جاتی ہے — اور قرآن کریم کے حفظ و قرأت کی تعلیم معیاری طریقے پر ہوتی ہے۔ بچوں کے لئے اردو، ناظرۂ قرآن اور عصری تعلیم کا بھی انتظام ہے۔ تمام بیرونی طلبہ کے لئے قیام و طعام، کتابیں اور دیگر سہولیات کا اہتمام دارالعلوم مجیبیہ کی طرف سے مفت کیا جاتا ہے۔

اسلئے اہل خیر حضرات سے دردمندانہ اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ، عطیات اور دیگر مواقع پر دارالعلوم مجیبیہ کو فراموش نہ کریں۔ مالی امداد پہنچا کر عنداللہ ماجور ومثاب ہوں۔ یہ قدیم درس گاہ آپ کے تعاون کی مستحق ہے۔

چیک یا ڈرافٹ پر صرف "DARUL ULOOM MOJIBIA" لکھیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هو العزیز المجیب ولی النعم

اہل حق کا ترجمان اور امن و سلامتی کا پیامبر

سہ ماہی

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

دینی، علمی و ادبی مجلہ

ماہ : جمادی الثانی ــ شعبان المعظم ۱۴۴۴ھ

ماہ : جنوری ــ مارچ ۲۰۲۳ء

مدیر : ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

نائب مدیر : ظفر حسنین

جلد نمبر ۶۳ ✦ شمارہ نمبر ۱

مجلس ادارت

مولانا شاہ بدر احمد مجیبی

مولانا محمد منہاج الدین مجیبی

پروفیسر حافظ فضل کبریا صدیقی

پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید

محمد فصیح الدین عاصم قادری زینبی

زر تعاون

فی شمارہ	:	50/- روپے
سالانہ	:	200/- روپے
سادہ ڈاک	:	250/- روپے
رجسٹری ڈاک	:	400/- روپے
پاکستان و بنگلہ دیش	:	500/- روپے
دیگر ممالک	:	25$/- امریکی ڈالر

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

منیجر "المجیب" دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

E-mail : almujeebquarterly@gmail.com, Cell No. : +91-7250433562, 7903953313

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

فہرست مضامین

- **لمعات** — ظفر حسنین — ۳

مضامین و مقالات

- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی: علمی سرمایہ اور فکری میراث — جناب حضور مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی — ۶
- اسلامی ادب کے ترجمان حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ — جناب حضور مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی — ۱۱
- مولانا عبداللہ عباس ندویؒ: ایک نابغہ روزگار شخصیت — پروفیسر محسن عثمانی ندوی — ۱۵
- شعر و سخن کے حوالے سے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ..... — مولانا محمد عاصم قادری — ۲۴
- اسلامی ادب میں وفیات نویسی کی روایت — ڈاکٹر عارف نوشاہی — ۳۰
- حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شجاعت غزوات..... — ڈاکٹر سید محمد اقبال شاہ القادری — ۴۵
- طب یونانی کو نشاۃ ثانیہ بخشنے والے مرد مجاہد کی طبی خدمات — پروفیسر ڈاکٹر سید فضل اللہ قادری — ۵۲
- منزل جاناں پہ تو پہنچا بہ صد مشکل سہی (چند دن.....) — وارث ریاضی — ۶۰
- اکتیسواں فقہی سمینار — اسلامک فقہ اکیڈمی نئی دہلی — ۶۳

نقد و تبصرہ

- الاحادیث القرآنیہ — مولانا شاہ بدر احمد مجیبی — ۶۷

ادبیات

- قند پارسی — حضرت مولانا حافظ شاہ شہاب الدین ثاقب قادریؒ — ۷۰
- نعت شریف — جناب حضور مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی — ۷۱
- نعت شریف — ترجمۂ منظوم: مولانا محمد عاصم قادری — ۷۲
- نعت شریف — جناب ڈاکٹر سید شاہ شمیم احمد گوہر مصباحی — ۷۶
- **کوائف و حالات** — ادارہ — ۷۷

لمعات

• ظفر حسنین

انیسویں صدی عیسوی میں ہندوستان سامراجیت کے نرغہ میں تھا، برطانوی حکومت یہاں کے باشندوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہی تھی۔ یہاں کے باشندوں کو آزادی کے ساتھ اپنی بات کہنے کا اختیار نہیں تھا، حکومت کی مخالفت جیل کی سلاخوں اور دار ورسن کو دعوت دینے کی مترادف تھی۔ ایسے ہی جاں گسل حالات تھے جب آزادی کی تحریک شروع ہوئی۔ برادران وطن کے ساتھ مسلمانوں نے اس میں حصہ لیا اور اس کی قیادت کی۔ اس کے لئے اپنی جانوں کی قربانیاں دیں۔ اس طرح ملک آزاد ہوا، انگریزوں کی سازش سے ملک دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ مگر مسلمانوں کی اکثریت نے ہندوستان میں رہنے کو پسند کیا۔ مسلم قیادت کی کوششوں سے ملک کا دستور وآئین سیکولر بنایا گیا اور اس میں ملک کے تمام باشندوں کو ان کے حقوق دیئے گئے۔ یہاں کے شہریوں کو یکساں طور سے دینی، تعلیمی، سماجی، تمام شہری حقوق ملے۔ بغیر کسی بھید باؤ کے سب دھرم والوں کو برابر کے حقوق دیئے گئے۔ سب دھرم والوں کو اپنی تعلیم گاہیں اور اپنی عبادت گاہیں قائم کرنے اور ان کو چلانے کا حق ملا۔ اپنے عقیدے اور رسم ورواج کے مطابق معاشرتی زندگی گزارنے کا حق دیا گیا۔ یہ ہمارے آئین کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

لیکن ملک کی آزادی کے تقریباً ستر سال کے بعد اقتدار کے سنگھاسن پر ایک ایسی جماعت قابض ہوگئی جو اس دستور پر یقین نہیں رکھتی۔ آج اسی جماعت کی حکومت ہے۔ اس کا مخصوص ایجنڈا ہے، اس کا واحد مقصد ملک کے سیکولر دستور کو ختم کر کے ملک کو ہندو راشٹر بنانا ہے۔ اس کے لئے برادران وطن کے ذہن ودماغ میں مسلمانوں کے خلاف شدید نفرت پیدا کر کے ان کو مسلم دشمنی پر آمادہ کیا جارہا ہے اور یہ کام بڑے پیمانے پر گاؤں گاؤں میں منظم طریقے پر کیا جارہا ہے۔ ملک کے باشندوں کی مذہبی رواداری اور آپسی میل ومحبت کو ختم کر کے نفرت کی آگ پھیلانے کی پوری کوشش کی جارہی ہے۔

صدیوں سے قائم ہندو مسلم اتحاد ومحبت کو گاؤ رکچھا، لو جہاد جیسے ناموں سے پارہ پارہ کیا جارہا ہے۔ خاص طور سے ایک عرصہ سے ''گھر واپسی'' کے نام سے کم پڑھے لکھے مسلمانوں کو ارتداد کی کھلے عام دعوت دی جارہی ہے کہ ہندوستان کا اصل اور

قدیم مذہب سناتن دھرم ہے، مسلم حکومتوں میں اسی دھرم سے لوگ اسلام کی طرف گئے ہیں، اس لئے اب جب مسلم حکومت نہیں رہی تو اپنے دھرم میں واپس آجائیں۔ اس کا بڑا شور وغوغا کیا جارہا ہے۔ مگر عام مسلمان بھی ان کے جال میں نہیں آرہے ہیں۔ جب مسلم علماء کی طرف سے اس کا جواب دیا گیا کہ ہندوستان کا اصل قدیم مذہب شرک و بت پرستی نہیں، اسلام ہے جو توحید کا مذہب ہے جس کو لے کر پہلے انسان حضرت آدمؑ آسمان سے سرزمین ہند میں اتارے گئے، جس کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک حدیث میں بھی ارض ہند میں حضرت آدم علیہ السلام کے اتارے جانے کی صراحت ملتی ہے ــــ (مستدرک) ان کی اولاد ہی آدمی کہلاتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو توحید کی دعوت دی تھی۔ شرک و بت پرستی ان کا مذہب نہیں تھا، وہ ایک اللہ کے معبود برحق ہونے کے قائل تھے۔ سناتن دھرم جس میں بہتر کروڑ بتوں کی پرستش ہوتی ہے یہ بہت بعد میں وجود میں آیا ہے۔ جب ہندوستان کا اصل قدیم مذہب اسلام وتوحید ہے۔ تو اگر گھر واپسی کرنی ہے تو سب کو اسلام وتوحید کی طرف آنا چاہئے۔ اس مضبوط دلیل کو سن کر فرقہ پرست اور نفرت کا پروپیگنڈا کرنے والوں کی چیخیں نکل گئیں، وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

لو جہاد بھی حقیقت کے خلاف ایک جھوٹا پروپیگنڈا ہے۔ اسلامی قانون کے رو سے کسی مسلمان مرد کی شادی کسی ہندو خاتون سے یا کسی مسلم خاتون کی شادی کسی ہندو مرد سے نہیں ہوسکتی۔ صرف اس صورت میں ہوسکتی ہے جب شادی سے پہلے وہ خاتون یا مرد اپنی خوشی ومرضی سے اسلام قبول کرلے۔ زبردستی اسلام قبول کرانا اسلامی احکام کے خلاف ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ. دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ کوئی مرد یا خاتون چاہے وہ مسلم ہو یا ہندو یا دوسرے دھرم والا اگر اپنی مرضی سے کسی مذہب کو اختیار کرلے تو ہندوستان کا سیکولر آئین اس پر روک نہیں لگاتا، اس کو اس دھرم میں رہنے کی سہولت دیتا ہے۔ مگر فرقہ پرست عناصر اس کو نفرت پھیلانے کا ذریعہ بنالیتے ہیں۔

ان نفرت کے پجاریوں نے ملک کی ایک بڑی آبادی کو اپنے نشانہ پر لے رکھا ہے۔ ان کے آئینی حقوق پامال کئے جارہے ہیں۔ ان کی عبادت گاہوں کا تقدس خطرے میں ڈالا جارہا ہے۔ ایک کے بعد ایک عبادت گاہ پر منظم طریقے پر قبضہ کی کوشش کی جارہی ہے۔ ایک خاص پارٹی کے وزراء، ممبران پارلیامنٹ جیسے ذمہ دار لوگ بھی کھلم کھلا ایک خاص مذہب اور اس کے افراد کے خلاف غیر مہذب اور نازیبا الفاظ استعمال کررہے ہیں اور گالیاں دے رہے ہیں بلکہ اس مذہب کے ماننے والوں کو قتل کردینے اور ان کو پاکستان بھگا دینے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ ملک کو ہندو راشٹر بنانے اور یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی باتیں اعلانیہ کی جارہی ہیں۔

لیکن نفرت کے یہ پجاری اقتدار کے نشے میں اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہ ملک ان کی ملکیت ہے، وہ جو چاہیں کرسکتے ہیں۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اقتدار وقتی چیز ہے، ستر سال کی مسلسل کوششوں کے بعد آج ان کو اقتدار حاصل ہوا ہے،

کل کی کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ وہ اقتدار میں باقی رہیں گے۔لیکن اقتدار کا نشہ ان کو اتنا چڑھ گیا ہے کہ آئندہ کس طرح یہ نشہ اترے گا معلوم نہیں۔بہ زبان کلیم عاجزؔ:

یہ شہسوار وقت ہیں اتنا نشہ میں چور
گر جائیں گے اگر یہ اتارے نہ جائیں گے

ایسے حالات میں ہم مسلمانوں کو صبر وتحمل سے رہنا چاہئے۔فرقہ پرست عناصر اپنے ووٹ بینک کو بڑھانے کے لئے بھڑکانے والے بیانات دیتے رہتے ہیں۔ان کے بھڑکانے سے جذبات میں نہیں آنا چاہئے۔ہمیں حوصلے بلند رکھنے چاہئیں، ان کے پروپیگنڈوں سے ڈرنا نہیں چاہئے،اس کا مناسب اور حقیقت پسندانہ جواب دینا چاہئے۔برادران وطن کے ساتھ روابط بڑھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ہمیں چاہئے کہ اپنے مذہب کے حدود میں رہتے ہوئے ان کی خوشی وغمی میں شرکت کریں۔ ضرورت کے وقت ان کی مدد کریں۔پڑوس میں رہنے والے دوسرے دھرم والوں سے سماجی تعلقات قائم رکھیں۔اس طرح آپسی میل ملاپ قائم رکھنے سے ان کی پھیلائی ہوئی نفرت میں کمی واقع ہوگی۔آپسی روابط نہ ہونے کی وجہ سے بھی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور بدگمانیاں بڑھتی ہیں،جس سے نفرت کے پجاریوں کو نفرت پھیلانے کا موقع مل جاتا ہے۔

اللہ تعالی تمام مسلمانوں کو اپنے حفظ وامان میں رکھے،دشمنوں،حاسدوں اور نفرت کے پجاریوں کے شر سے، ان کے کید ومکر سے بچائے۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

پیغام — سمینار بہ عنوان

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی:
علمی سرمایہ اور فکری میراث

منعقدہ : ۱۰-۱۱/دسمبر ۲۰۲۲ء

زیر اہتمام : انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز نئی دہلی۔

از

جناب حضور الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی

زیب سجادہ خانقاہ حضرت پیر مجیب ؒ پھلواری شریف، پٹنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سرزمین ہند کی علمی تاریخ ایسی نابغۂ روزگار شخصیتوں کے ذکر سے آراستہ ہے، جن کے گلشن حیات کے مطالعہ سے بیک وقت تفسیر وحدیث، فقہ وتصوف اور تمام علوم اسلامی کے ساتھ علم وعرفان کی خوشبوئے عبیر فکر وذہن کو معطر بنا دیتی ہے، ان مغتنم شخصیات علمیہ میں ایک باقدر اور عظیم شخصیت خانوادۂ ولی اللہی کے روشن چراغ خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی ؒ کی بھی ہے، جن کی عالمگیر علمی خدمات کے اعتراف میں یہ کہنا بجا ہے کہ ؎

یک چراغ ست درین خانہ کہ از پرتو آن
ہر کجا می نگری انجمنی ساختہ اند

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ متاخرین علمائے ہند میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی عبقری شخصیت تمام علوم اسلامی کے ساتھ خصوصًا علم حدیث کے باب میں سب سے زیادہ معتبر ومستند ہے، علم حدیث کے سلسلے میں حزم واحتیاط کی جو روش آپ کے یہاں موجود تھی، وہ اس زمانہ کے دیگر درسگاہوں میں کم پائی جاتی ہے، حضرت شاہ صاحبؒ علم حدیث کے باب میں محدثین سالفین کے نقش قدم پر گامزن تھے، تلامذہ کے علاوہ کسی کا سب سند حدیث کو اس کے مبلغ علم کا اندازہ کئے بغیر برسم کتابت حدیث کی اجازت نہیں دیا کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ علم حدیث کے باب میں آپ اپنے زمانہ میں شہرۂ آفاق ہوئے اور شائقین حدیث جوق در جوق آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ سے علم حدیث کو اخذ کرنا سعادت سمجھا۔

اس سلسلۃ الذھب کی ایک کڑی خانوادہ وخانقاہ حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ پیر محمد مجیب اللہ قادری قدس سرہ سے بھی جڑی ہوئی ہے، خاندان ولی اللہی سے قدیم روابط اور ان کے خاندان کی علمی وجاہت کی بنا پر خانوادۂ حضرت پیر مجیبؒ کے متعدد علماء نے فن حدیث کے شوق میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے رجوع کیا، بالاختصاص ان میں فتاوی عالمگیری کے ایک مدون ملا فصیح الدین نقشبندی پھلواروی ؒ کے پسر زادہ ملا افضل الدینؒ ہیں، جنہوں نے مکمل درسیات حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے پڑھ کر تمام کیں، بانی خانقاہ کے بڑے صاحبزادہ کی اولاد میں حضرت شاہ ظہور الحق محدثؒ جو کہ حافظ صحیحین تھے، سند حدیث بذریعۂ کتابت حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے حاصل کی، ان کے فرزند حافظ محمد نصیر الحق عمادیؒ جنہوں نے اپنے والد کے علاوہ درسیات مفتی محمد ظہور اللہ فرنگی محلیؒ سے تمام کیں اور سند حدیث حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے تلمیذ مرزا احسن علی علیہ الرحمہ سے حاصل کی، دوسرے کاسبین میں مفسر قرآن حضرت مولانا رحم علی پھلواروی ؒ ہیں، (جن کی تالیف تفسیر احکام القرآن گیارہ جلدوں میں ۱۱۱۷ آیات سے مستنبط ۳۳۸ مسائل دینیہ پر مشتمل ہیں، جو کہ ملا جیونؒ کے بعد بہار کی نمائندہ تفسیر احکام ہے) آپ نے درسیات اپنے والد سے پڑھ کر علم وتفسیر کی تعلیم دہلی جا کر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے حاصل کی، آپ کے برادر ملا شاہ عبدالغنی پھلواروی ؒ جنہوں نے درسیات اپنے والد کے علاوہ ملا برکت اللہ عظیم آبادیؒ سے پڑھیں، انہیں براہ راست حدیث کی اجازت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے حاصل تھی، اس سلسلۂ حدیث کے بھی ملا عبدالغنیؒ مجاز تھے، نیز بذریعۂ کتابت سند حدیث حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے حاصل کی، ان کے کسب سند حدیث کا واقعہ ان کے تبحر علمی کی سند ہے، واقعہ یہ ہے کہ مولانائے مذکور نے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کو ایک خط میں لکھا کہ:

''جناب مجھے سند حدیث اپنی طرف سے عطا فرمائیں، اگر چہ آں جناب کے خاندان کی سند مجھے حاصل ہے! مگر میں جناب سے بھی حصول سند کا خواستگار ہوں''

اس کے جواب میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے لکھا کہ:

''مجھے جناب کے مبلغ علم کا حال معلوم نہیں، لہذا ایک رسالہ بھیجتا ہوں، جناب اس کو بغور ملاحظہ کر کے اس کی شرح مجھے لکھ کر بھیج دیں! میں سمجھوں گا کہ جناب درس حدیث کی استعداد رکھتے ہیں، تو اجازت دی جائے گی''۔

چنانچہ آپ نے اس رسالہ کی مفصل شرح لکھ کر خاتم المحدثین کے حضور بھیج دیا، حضرت شاہ صاحبؒ نے ملاحظہ فرما کر جواباً تحریر فرمایا کہ:

''جناب کی استعداد بالغ ہے اور مجھے ایسی امید نہ تھی کہ پورب میں بھی ایسے افراد ہیں جن کی قابلیت باعث ناز ہو......'' (بیاض قلمی)

ہمارے ان بزرگان کے علاوہ ہمارے بانی خانقاہ حضرت تاج العارفینؒ کے پسر زادہ اوران کے جانشین حضرت فرد الاولیاء مولانا شاہ ابوالحسن فرد پھلواروی ؒ جن سے شاہ اسماعیل دہلویؒ کے مناظرے ہوئے تھے، جوکہ تحریری شکل میں درگاہ شاہ ابوالخیر دہلی، ندوۃ العلماء لکھنؤ، شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ہماری خانقاہ مجیبیہ اور ہمارے خاندان کے بعض اشخاص کے کتب خانہ میں دستیاب ہے، علم حدیث کے آپ بھی ماہر تھے، تاحیات حدیث شریف کا مشغلہ جاری رکھا، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے ان کی ثقاہت اور تبحر علمی کی بنا پر کسب سند حدیث کا ارادہ رکھتے تھے، مگر اس کا موقع نہیں مل سکا، البتہ ایک خط جو آپ نے حضرت شاہ صاحب دہلویؒ کے لئے لکھ رکھا تھا؛ مگر بھیجنے کا موقع نہ ملا، اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل پھلواری کے متعدد بزرگان حضرت شاہ صاحب دہلویؒ سے کسب سند حدیث کا ارادہ رکھتے تھے، اس سلسلہ میں تلاش مزید کی جائے تو حضرت شاہ صاحب دہلوی سے پھلواری شریف کے دیگر مجازان علم حدیث کی تفصیل معلوم ہوسکتی ہے، یہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے اہل پھلواری کے تعلق علمی کا مختصر ترین تعارف ہے، اس میں تمام تفصیلات کی گنجائش نہیں۔

بہر حال یہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی زندگی کا وہ پہلو ہے جس پر ہنوز کام جاری ہے، علوم اسلامی کے ہر پہلو سے ان کی زندگی کامل ومکمل تھی، وہ ہر میدان علم کے مرد مجاہد تھے، البتہ ان کے خاندان اور خود شاہ صاحب کی زندگی کا ایک خاص پہلو تصوف بھی ہے، جسے موجودہ دور میں خاص طور پر فراموش کر دیا گیا ہے، اس پہلو پر بھی کام کئے جانے کی سخت ضرورت ہے، حضرت شاہ صاحبؒ کے والد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جو خود ایک باکمال صوفی تھے، وحدۃ الوجود وغیرہ جیسے مسائل تصوف کے نہ صرف قائل؛ بلکہ شیخ اکبر کے بڑے معتقد بھی تھے، خود حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ جن کے فتاوے، تفسیر اور ملفوظات وغیرہ میں خاص طور پر تصوف کے مسائل کی شرعی حیثیت سے تشریح وتوضیح پر مشتمل عمدہ مضامین پائے جاتے ہیں اور تصوف کی خوشبو ان کی تحریروں میں محسوس ہوتی ہے، تصوف کے مضامین صرف کرامات وتصرفات کے جمع کئے جانے کا نام نہیں ہے، یہ تو اضافی چیزیں ہیں، اصلاً تو اسرار دینیہ کو سمجھا کر شریعت مطہرہ کی پاسداری کا پابند بنا دینا تصوف کی اصل ہے، جو حصول معرفت الٰہی کا سب سے آسان اور احسن طریقہ ہے، مشائخ اہل تصوف نے خاص طور پر اس سلسلہ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، جس کا خود خاندان ولی اللہی بھی نمائندہ ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جو اس سلسلہ کے آفتاب تھے، ان کی تصانیف میں ''حجۃ اللہ البالغہ'' اس کی عمدہ مثال ہے، ان کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ جوکہ باتفاق آراء ان کے افکار اوران کے علم و

معرفت کے اصلی مبلغ وترجمان اور ان کے جانشین تھے، مسلک ومشرب ولی اللہی کی ترجمانی حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے افکار سے بخوبی ہوتی ہے البتہ نہج اشاعت میں کچھ فرق ہونے سے اختلاف نہیں ہے، طریقت میں سلسلۂ نقشبندیہ جس کے حامل آپ کے والد تھے، اس کی اشاعت حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے بھی فرمائی ہے، دیگر سلاسل میں سلسلہ قادریہ کو بھی انھوں نے فروغ دیا، جیسا کہ شاہ صاحبؒ کے ملفوظات سے بھی واضح ہوتا ہے، اس کے علاوہ آپ دیگر سلاسل کے بھی مجاز تھے یعنی طریقت وتصوف میں بھی ان کی شخصیت جامعیت رکھتی تھی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی تصانیف میں خاص طور پر ''تحفۂ اثنا عشریہ'' ایک اہم تالیف ہے اور یہ نمایاں ہے کہ ان کے قلم کی سیاہی اصحاب نبوی ﷺ کے دفاع اور احقاق حق کے لئے خوب صرف ہوئی، ترتیب خلافت علی منہاج النبوۃ کی وضاحت میں تالیف مذکور بے حد مقبول زمانہ رہی، اصحاب اور اہل بیت کے مقام ومرتبت کی صحیح ترجمانی شاہ صاحب کی تحریر سے ہوتی ہے جوکہ اہل سنت کا موقف ہے، طریقت کے زاویہ نظر سے حضرت مولائے کائنات سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی شخصیت اہل تصوف کے نزدیک اہم ترین شخصیت ہے، صحابہ کرام سے منسوب دیگر سلاسل بشمول سلسلۂ نقشبندیہ جوکہ حضرت امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے، تمامی سلاسل کے سالکین حضرت امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے فیض پاتے ہیں چنانچہ تفسیر عزیزی میں خود حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

''وجود جسمانی حضرت امیر المومنین کہ خاتم الخلفاء است صورت کمال ولایت جناب نبوت گشتہ ونور ہدایت ایشاں از آں جلوہ می کرد وشعاع قرب معنوی آں جناب ازیں روزن نمودار بود وخلافت پیغمبر و جانشینی آں جناب دراں وقت درذات کامل الصفات آں شاہ ولایت گردیدہ ولہذا در حدیث شریف چنانچہ درحق کعبہ فرمودہ اندکہ ''النظر الی الکعبۃ عبادۃ'' ودرحق مصحف مجید فرمودہ اندکہ ''النظر الی المصحف عبادۃ'' ہم چناں درحق آں شاہ ولایت کرم اللہ وجہہ ارشاد شدہ کہ ''النظر الی وجہ علی عبادۃ'' گویا وجود شریف ایشاں مثل وجود شریف حضرت نبوت بود کہ تشنگان امت ازاں یک منبع سیراب می شدند وہر حاجت ظاہر وباطن راازذات ایشاں بسبب استجماع کمالات نبوی کفایت می شد......''

___(تفسیر عزیزی)

اس اقتباس کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں یہ معلوم ہوسکے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی مغتنم شخصیت شریعت و طریقت کی مجمع البحرین تھی، ان کے اقوال جس طرح شریعت کے باب میں مستند ہیں، طریقت میں بھی ان کے افکار سالکین تصوف کے نمائندہ ہیں، انہیں صرف شریعت میں ہی نہیں بلکہ طریقت میں بھی خصوصیت اور کاملیت حاصل تھی، ایسی جامع ترین شخصیت کی حیات کے تمام گوشوں کو نمایاں کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے، ان کی زندگی کے کسی پہلو کو بالکلیہ فراموش کردینا ان کی ہمہ جہت شخصیت میں نقص آوری کا مترادف ہے، میں اس سلسلے میں انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز

کے سرپرستوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ جیسی عبقری شخصیت کے گوشہائے زندگی سے موجودہ اور آئندہ نسلوں کو متعارف کرانے کے لیے ''شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ: علمی سرمایہ اور فکری میراث'' کے مرکزی عنوان پر یہ سمینار منعقد کیا ہے، خاص طور پر محترم ومکرم ڈاکٹر منظور عالم ومخلص وکرم فرما شاہ اجمل فاروق ندوی صاحبان تبریک وتہنیت اور میرے شکریۂ خاص کے مستحق ہیں کہ انہوں نے مجھے بطور پیغام اس سمینار کے ذریعہ اپنی بات پہنچانے کا موقع دیا فجزاھما اللہ خیرًا، میں اس سمینار میں شریک اصحاب علم اور سربراہان انسٹی ٹیوٹ کو دعوت فکر دیتا ہوں کہ جہاں شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے مغتنم شخصیت کو بطور کامل شریعت متعارف کرائے جانے کے سلسلہ میں ہنوز کام جاری ہے، ان کے قدسی تشخص کو صاحب طریقت کی حیثیت سے بھی نئی اور آئندہ نسلوں کو واقف کرائے جانے کا سامان بہم پہنچانا ہمارا علمی ومنصبی فریضہ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی اس منعقد سمینار کو قبول فرمائے اور اس سمینار سے دوررس نتائج حاصل ہوں، جو متلاشیان علم کی راہوں میں روشنی کا سامان فراہم کرے— آمین یارب العالمین!

محمد آیت اللہ قادری
خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف
۲/جمادی الاولی ۱۴۴۴ھ
۲۷/نومبر ۲۰۲۲ء

پیغام — سمینار بہ عنوان

اسلامی ادب کے ترجمان

حضرت مولانا عبد اللہ عباس ندویؒ

منعقدہ : ۱۸-۱۹؍فروری ۲۰۲۳ء

بہ اہتمام : رابطہ ادب اسلامی، شاخ بہار (پٹنہ)

از

جناب حضور الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی

زیب سجادہ خانقاہ حضرت پیر مجیبؒ پھلواری شریف، پٹنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خانوادۂ حضرت تاج العارفین مخدوم سید شاہ پیر محمد مجیب اللہ قادریؒ کی ایک عظیم شخصیت: حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبد اللہ عباس ندویؒ، جن کو اس دار فانی سے رخصت ہوئے ایک عرصہ ہو چکا ہے؛ مگر ان کی یادیں آج بھی تر و تازہ ہیں، وجہ خاص؟ بلفظ اختصار ان کی علمی، عرفانی اور مکمل طور پر ادب اسلامی کی نمائندہ شخصیت ہے، وہ دور حاضر کے نابغۂ روزگار عالم دین تھے، خاندانی خصوصیات میں سے درس وتدریس ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا، اس کے ساتھ تحریر وتقریر میں بھی انہیں کاملیت حاصل تھی، انہیں مصروفیات میں عارفانہ مزاج کے ساتھ ان کی زندگی پایان تکمیل کو پہونچی۔

حضرت مولانا علیہ الرحمہ کے علمی اکتساب کا سلسلہ ہندوستان سے یورپ تک منتہی ہے، ابتدائی تعلیم کا سلسلہ خاندانی درسگاہ

سے شروع ہوکر ''فرنگی محل'' اور ''ندوۃ العلماء'' پہونچا، جہاں اپنے مربی ومرشد حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی سرپرستی میں دینی تعلیم کی تکمیل کی اور پھر یورپ کی سرزمین پر کسب علم کے لئے قدم رکھا، اس طرح وہ قدیم وجدید دونوں طرز تعلیم کے جامع تھے؛ مگر ان کی شخصیت نہ صرف اسلامی شعار کی خوگر تھی؛ بلکہ تاحیات ان کا تشخص ادب اسلامی کا نمائندہ بنا رہا، وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اس خاندان میں آنکھیں کھولی تھیں اور اس پاکیزہ ماحول میں دینی علوم سے آراستہ ہوئے تھے، جہاں خاک مدینہ و نجف کا سرمہ آرائش تشخص علمی کا واحد سامان ہے، یورپ میں کسب علم ودانش کے بعد بھی ان کے تشخص کی آراستگی بقول اقبال، یہ کہتی ہوئی نظروں کے سامنے جلوہ گر ہوتی ہے کہ ؎

خیرہ نہ کرسکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ ونجف

حضرت مولانا علیہ الرحمہ کے علمی اختصاص کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے، انہوں نے ان تمام علوم اسلامی کے شعبوں میں گراں مایہ خدمتیں انجام دی ہیں، جن کا موجودہ دور میں خاص طور پر دینی درسگاہوں سے تعلیمی تعلق رہا ہے، جو عام لوگوں کے لئے بھی فائدہ مند ہے، ان میں قرآن کریم ان کا سب سے اہم اختصاصی موضوع تھا، تدریسی زندگی کی ابتدا بھی ترجمہ وتفسیر کی تعلیم سے ہوئی تھی، علوم قرآن پر گہری نگاہ رکھتے تھے، قرآنی فکر سے ان کا مزاج آراستہ تھا، کسی موضوع سے متعلق ان کی کوئی تحریر امثلۂ قرآن سے خالی نظر نہیں آتی ہے، درس وتدریس قرآن کے علاوہ تحریری شکل میں بھی قرآن کریم سے متعلق ان کے علمی اثاثے موجود ہیں، جن میں تحقیق وتنقید، تصحیح وتنقیح کے ساتھ مستشرقین کی تردید اور لغت نویسی جیسے اہم کام قابل ذکر ہیں، جو عربی انگریزی اور اردو زبانوں میں طبع ہوکر مقبولیت حاصل کرچکے ہیں۔

تفسیر قرآن کے بعد حدیث نبوی ﷺ کے سلسلے میں بھی انہوں نے نمایاں کارنامے انجام دئے ہیں، خالق کائنات نے انہیں تشریح وترجمانی اور تفہیم کی غیر معمولی صلاحیت عطا کی تھی، یہ مولانا کے سلسلۂ اجداد کی خصوصیت رہی ہے، بانیٔ خانقاہ حضرت تاج العارفین پیر محمد مجیب اللہ قادریؒ کے پسرزادے حضرت مولانا امام جنونؒ، جو علوم متداولہ کے ماہر استاد تھے، ایک دیہاتی شخص کو بھی منطق وفلسفہ کی تفہیم بخوبۂ احسن کرانے پر قادر تھے، مولانا عبداللہ عباس ندویؒ میں بھی یہ جوہر خاندانی موجود تھا، اس سلسلہ میں مولانا کی تالیفات میں: ''الادب المفرد'' کی شرح ''ارشادات نبویؐ کی روشنی میں نظام معاشرت''، ''قصیدۂ بردہ'' کی شرح ''ردائے رحمت'' اور فن منطق میں ایک منفرد تالیف ''تفہیم المنطق'' عمدہ مثالیں ہیں۔

اردو زبان وادب کے حوالہ سے بھی مولانا علیہ الرحمہ کی مذکورہ کتابیں اہمیت کی حامل ہیں، جن میں ادبی لطافت، زبان وبیان کی شگفتگی اور تعبیر کی عمدگی پائی جاتی ہیں، اردو کے حوالے سے ان کی تمام تالیفات مذکورہ خصائص کی نمائندہ ہیں۔

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ ایک عمدہ شفیق استاد، ماہر اہل قلم اور خلوص وللہیت سے آراستہ شخصیت کے

مالک تھے، جو بھی علمی کام کئے، خلوص و پاکیزگی کے دائرے میں سرانجام دئے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عشق ومحبت سے ان کا دل مملو تھا، سیرت نبوی ﷺ کے حوالے سے ان کی تالیفات، ان کے لکھے ہوئے مقالات اور خطبات میں دفاع نبویؐ اور عشق ومحبت نبویؐ کی تاثیر محسوس کی جاسکتی ہے، ان کے لب ولہجے سے عشق نبویؐ کا انداز ہ ہوتا تھا، خاص طور پر زندگی کے آخری حصوں میں عشق ومحبت اور عارفانہ مذاق کا جو رنگ ان پر غالب ہو کر نمایاں ہوا تھا، وہ ان کو دیکھنے والی آنکھوں سے پوشیدہ نہیں ہے، وہ تاحیات مکۂ معظمہ کی سرزمین پر ایسی حکومت کے قائم کردہ علمی ماحول میں رہے، جس میں تصوف ایک غیر اسلامی فکر ہی نہیں بلکہ تصوف کے حوالہ سے گفتگو کرنا بھی شرک وبدعت کے زمرے میں داخل ہے، ایسے ماحول میں مولانا علیہ الرحمہ نے نہ صرف خود کو تصوف اسلامی سے منسلک رکھا؛ بلکہ خود سے منسلک افراد کی بھی نگہ داشت فرمائی۔

بہر حال حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ خاندانی رشتہ سے میرے دادا اور نانا دونوں تھے، ان سے مزید قربت کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ میرے دادا ابا اور نانا ابا کے بچپن کے ساتھیوں میں سے تھے، اس نسبت سے مجھے ان کی خاص شفقتیں حاصل رہیں، ۲۰۰۴ء میں عمرہ وزیارت کے ارادے سے حرمین شریفین حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، تو وہاں حضرت مولانا علیہ الرحمہ نے میرے ساتھ بہت شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا، اپنی معیت میں تمام مقدس مقامات کی زیارت کرائی اور ازراہ کرم حدیث ''مسلسل بالاولیۃ'' کی اجازت مرحمت فرمائی، جو انہیں حضرت شاہ حلیم عطا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عنایت فرمائی تھی، یہ سند حدیث حضرت ملا علیق محدث بہاریؒ کے جد مادری؛ حضرت شاہ معز الدین کرجوی، (جو بانیٔ خانقاہ حضرت شاہ پیر محمد مجیب اللہ قادریؒ کے جد بزرگوار کی والدہ کے ہم جد تھے اور بانیٔ خانقاہ ان کے مجاز بھی تھے،) اس سلسلہ کے شیوخ طریقت میں حضرت شاہ پیر محمد سلونیؒ کا نام شامل ہے، جو شیخ معز الدین کرجوی کے شیخ ہوئے اور شاہ حلیم عطا صاحب کو اپنی خاندانی نسبت شیخ مذکور سے حاصل ہے، مولانا عبداللہ عباس ندویؒ نے اسی نسبت اور اپنی شفقت کے پیش نظر مجھے حدیث مذکور کی اجازت سے بہرہ مند فرمایا، سن مذکور کے سفر حرمین میں ہی حضرت مولانا علیہ الرحمہ سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اپنی کوئی کتاب خانقاہ مجیبیہ سے اشاعت کے لئے مرحمت فرمائیں، خاندانی حیثیت سے خانقاہ مجیبیہ کے سلسلۂ رشد وہدایت سے وہ بخوبی واقف تھے، سلسلۂ مجیبیہ کے عنوان سلوک کے مطابق، سیرت وشمائل نبویؐ کے چند گوشوں کو عربی مآخذ سے اخذ کرکے ''آداب وفضائل درود وسلام ملحقہ روح کائنات'' کے عنوان سے اردو زبان میں ایک نئی کتاب اشاعت کے لئے عنایت فرمائی، پھر مولانا نے خود نوشت سوانح بھی احباب واعزہ کی فرمائش پر تالیف فرمائی تھی، جس کی اشاعت بھی اہل پھلواری کا حق تھا اور بحمداللہ وہ خانقاہ مجیبیہ کے دارالاشاعت سے شائع ہو چکی ہے۔

بالفاظ اختصار حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ ایک باکمال مغتنم روزگار شخصیت کے حامل تھے، ان کی تالیفات متنوع موضوعات پر موجود ہیں، عرب وعجم میں اس وقت ان کے کثیر تلامذہ علم وادب کی ترویج واشاعت

کررہے ہیں ۔مولانا علیہ الرحمہ کی شخصیت اس حوالہ سے متقاضی تھی اوران کے تلامذہ، احباب و متعلقین خاندان کا فرض تھا، کہ نسل نو میں حضرت مولانا کا تعارف پیش کرا کران کی میراث علمی سے مزید استفادے کا سامان بہم پہنچاتے ،مولانا کی وفات پر خانقاہ مجیبیہ کا علمی ترجمان رسالہ ''المجیب'' مولانا کی حیات وخدمات پر خصوصی شمارہ کی شکل میں پیش کیا جاچکا ہے، مبارک باد کے مستحق ہیں اہل بہار پر مشتمل ان کے تلامذہ میں سے کچھ خواص ،جنہوں نے اس باقی فرض وقرض کو ادا کرنے کی ہمت کی اور سر جوڑ کر اپنی سعیٔ پیہم سے حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ پر رابطۂ ادب اسلامی کی شاخ بہار کے تحت، یہ قومی سمینار منعقد کیا ہے،اس تعلق سے مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کی دو کتابیں ''سفر نامۂ عراق'' اور ''ردائے رحمت'' نیز طبع ہو کر دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے منظر عام پر آئی ہیں، اس قومی سمینار کے سلسلے میں اولین کوشش کرنے والے برادر عزیز مولانا طلحہ نعمت ندوی زید مجدہ ہیں، جن کی مسلسل کوششوں سے یہ اہم علمی سمینار منعقد ہوسکا ہے۔

اللہ تعالی سے دعا کرتا ہوں کہ اس سمینار کے سلسلے میں تمام شرکاء کی سعی وکوشش کو شرف قبولیت بخشے اور یہ سمینار مولانا عبداللہ عباس ندویؒ پر مزید تحقیقی کام کئے جانے کے لئے ایک مشعل راہ ثابت ہو۔آمین یارب العالمین ۔

محمد آیت اللہ قادری

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ

مولانا عبداللہ عباس ندویؒ: ایک نابغۂ روزگار شخصیت

(سمینار کا کلیدی خطبہ)

● پروفیسر محسن عثمانی ندوی — حیدرآباد

مولانا عبداللہ عباس ندوی بہار کے رہنے والے تھے ۱۹۳۵ء ان کی پیدائش کا سال ہے، پھلواری شریف جو ایک مردم خیز بستی ہے ان کا آبائی وطن تھا، پھلواری چمن کو کہتے ہیں اس چمن میں علم وادب کے بھی بہت سے پھول کھلے۔ خانقاہ مجیبیہ سے خاندانی روابط تھے، یہاں کے ماحول میں جو پودا پروان چڑھا وہ ندوۃ العلماء کے ماحول میں برگ و بار لایا، وہ وہاں ادب کے استاذ مقرر ہوئے، بعد میں وہ سعودی عرب میں ریڈیو اسٹیشن کے نشریات شرقیہ کے وکیل اور نگراں مقرر ہوئے پھر رابطہ عالم اسلامی میں اسلامی تنظیموں کے ذمہ دار پھر وہاں کے جرنل کے ایڈیٹر ہوئے پھر جامعہ ام القری کے شعبۂ عربی کے استاذ مقرر ہوئے، اور پایان کار ندوۃ العلماء میں معتمد تعلیم مقرر ہوئے، ندوۃ العلماء کے علم وادب کے چمن میں ایک پھول کھلا تھا جس کی خوشبو آج تک مشام جاں کو معطر کر رہی ہے۔ مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کی متعدد کتابیں شائع ہو کر اہل علم سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ان کے مضامین ومقالات کو جو زیادہ تر ماہنامہ ''ذکر وفکر'' میں شائع ہوتے رہے ہیں، قبولِ عام حاصل ہوا ہے۔ ان مضامین میں ادب کی چاشنی بھی ہے اور فکرِ سلیم کی روشنی بھی اور عمل وتحقیق کی سنجیدگی بھی، جب زبانِ ہوشمند کے ساتھ فکرِ ارجمند کی آمیزش ہو جاتی ہے تو ادب وجود میں آتا ہے اور جب اس میں دلِ دردمند بھی شامل ہو جاتا ہے تو تحریر کی تاثیر میں شبانہ لگ جاتا ہے۔

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے جو مجلہ ذکر وفکر میں مولانا عبداللہ عباس صاحب کے ساتھ شریک ادارت تھے یہ لکھا ہے:

> ''مولانا عبداللہ عباس ندویؒ ندوہ اسکول کی بہترین ترجمانی کرتے ہیں اور ندوہ ایک تہذیب ہے، ایک نصب العین ہے، ایک روشنی ہے، تعلیم سے زیادہ قدروں کو سکھانے اور پھیلانے کا ادارہ ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ قدیم وجدید کا حسین نقطۂ اتصال ہے۔''

مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کی تحریروں سے خواجہ احمد فاروقی کے خیال کی حرف بہ حرف تصدیق ہوتی ہے۔ پروفیسر وصی احمد صدیقی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کا ایک خاص اسلوب تھا بڑا شگفتہ اور منفرد، کوئی بھی مضمون ہو اور کتنا ہی دقیق ہو اس کی فضا میں ادب کا حسن پایا جاتا تھا۔

مولانا عبداللہ عباس ندوی ندوۃ العلماء کے تصنیفی اسکول کی ایک شخصیت کا نام ہے، راقم سطور کی نظر میں ندوہ اسکول کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اسلام کی دعوت اور خاص طور پر قرآن کریم، سیرت وسنت نبوی کو ادبی اور علمی اسلوب میں پیش کرنے کا رواج سب سے پہلے اسی نے ڈالا اور آج بھی وہ اسی نہج پر قائم ہے، اس نہج کی نقلیں کی گئیں۔ ندوہ کے تصنیفی نہج پر ادارے قائم کیے گئے ہیں۔ پورا دارالمصنفین ندوۃ العلماء کے فضلاء کا علمی اور تصنیفی ادارہ ہے، ندوہ کے علمی وتصنیفی اسکول کی خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ کوئی بات بغیر حوالہ کے نقل نہیں کی جاتی، دوسروں کا حق غصب نہیں کیا جاتا، کوئی مضمون یا مقالہ تو بڑی چیز ہے، اگر کسی کا کوئی اچھا فقرہ بھی نقل کیا گیا تو اس کا حوالہ دیا گیا ہے، اگر براہ راست اصل کتاب کا نہیں ہے بلکہ کسی مضمون سے نقل کیا گیا ہے تو صراحت کر دی جاتی ہے کہ یہ فلاں جگہ سے نقل کیا گیا ہے۔ زبان وبیان کی دل کشی مشکل سے مشکل مضمون کا سمجھنا آسان کر دیتی ہے، یہی ندوہ کا امتیاز ہے۔ اس کی مثال میں مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کی ایک تصنیف 'تفہیم المنطق' کو پیش کیا جاسکتا ہے، جس میں پہلی بار منطق کو اسلامی ادب سے مربوط کر دیا گیا ہے۔

مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کے یہاں تحقیقی اسلوب مکمل طور پر موجود ہے۔ مثال کے طور پر مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن کا تجزیہ اس سے بہتر پہلے کسی نے نہیں کیا، خاص طور پر ان کے مراجع کی نشان دہی اور جہاں سے ان کی راہ دوسرے علماء اور مفسرین سے الگ ہوتی ہے، اس کو بیان کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی تفسیر کی انفرادیت، محسن کاکوروی کی نعت کا تجزیہ اور اس کے ہندوانہ تشبیب کی حقیقت پہلی بار اُردو ادب میں پیش کی گئی ہے۔ یہ سارے مقالات مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کے تحقیقی اسلوب کا نمونہ ہیں۔

علمی وادبی ماہنامہ ''ذکر وفکر'' کے اداریئے، جو مولانا لکھتے رہے تھے، وہ بھی خاصہ کی چیزیں ہیں، وہ کبھی کبھی تعمیر حیات کے اداریے بھی لکھتے تھے۔ ان کے تمام اداریئے پسند کئے جاتے تھے، اس میں وقتی مسائل کا ربط دینی احساسات سے اس طرح قائم کیا جاتا تھا کہ اس کا اعتراف ان کے مخلصین ہی کو نہیں، بلکہ تمام قارئین کو بھی ہوگا۔ ان کے قلم سے جو اداریئے نکلے وہ سبھی مقبول رہے اور عصمت چغتائی کے مرنے پر ''آتشیں لحاف'' کے عنوان سے ان کا اداریہ سنجیدہ ادبی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا۔

مولانا کی تحریریں حُسنِ زبان اور رعنائی بیان کا بہترین نمونہ ہیں، یوں تو مولانا اردو، عربی اور انگریزی تینوں زبانوں پر قدرت رکھتے ہیں اور تینوں زبانوں میں ان کے قلم سے وقیع کتابیں نکلی ہیں، لیکن ان کی اُردو تحریریں ادب کامل عیار اور حسنِ انشاء کا معیار قرار دی جاسکتی ہیں۔ اُردو میں معیاری ادب کے لیے فارسی اور عربی پر عبور ضروری ہے اور اس کے ساتھ

ادبِ عالیہ کے مطالعہ کا ذوق بھی لازمی ہے۔ فارسی، اردو اور عربی کے ہزاروں اشعار ان کی نوکِ زبان پر تھے۔ شعر وادب کے دریائے ناپیدا کنار میں اس سے ان کی شناوری کا اندازہ ہوتا ہے۔ ادب کے ذوق اور مطالعہ نے ان کی تحریر میں دل کشی پیدا کر دی ہے، جس طرح سے غنچہ وچمن اور گل رنگین پیرہن زیورات ارضی کی حیثیت سمجھتے ہیں، اسی طرح اچھے اشعار اور نثر پارے زیورات لفظی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مولانا کی تحریریں پڑھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا قلم قدم قدم پر ادب وانشاء کے پھول کھلاتا اور مسرت وانبساط کی خوشبو پھیلاتا اور افکار کے موتی لٹاتا اور بصیرت کو گراں مایہ بناتا چلتا ہے۔

مولانا ندوۃ العلماء میں عربی ادب کے استاد رہے اور پھر سعودی عرب میں کئی سال ام القری یونیورسٹی میں استاد رہے اور انگلینڈ میں رہ کر لیڈس یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ انگلینڈ کا سفرنامہ اور وہاں کے قیام کے مشاہدات جب ''چند دن دیارِ غیر میں'' کے نام سے شائع ہوئے تو راقم سطور کو پہلی بار ان کے ادبی ذوق اور شگفتہ بیانی اور خوبصورت اسلوب نگارش کا اندازہ ہوا۔ اس کے بعد میں ان کی تحریروں کی تلاش میں لگا رہتا تھا۔

یادش بخیر بہار کے ایک اخبار میں اس عاجز کا ایک مختصر مضمون مولانا عبداللہ عباس ندوی پر شائع ہوا اس کو پڑھ کر بہار شریف سے ایک بزرگ نے ٹیلیفون کیا اور اپنے تاثر کا اظہار اس طرح کیا کہ کیسے کیسے لوگ تھے جو اٹھ گئے۔ اب ایسے لوگ نہیں پیدا ہوتے ہیں۔ واقعہ ہے کہ ابھی پوری ایک صدی بھی نہیں گذری ہے۔ اگر گردش ایام پیچھے کی طرف لوٹ سکے تو ہم آسمان علم وادب پر جگمگاتی ہوئی کہکشاں کو دیکھ سکیں گے۔ مولانا آزاد، علامہ شبلی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا مودودی اور بے شمار نام جنہیں گنواؤں تو گنوا نہ سکوں لیکن اب علم وادب کی محفل سونی سونی ہے، اب جو لوگ نظر آتے ہیں وہ ان کے پاسنگ کے برابر بھی نہیں ہیں۔ اب تو اس گرمی محفل کو دیکھنے والے اور ان شخصیتوں سے اکتساب نور کرنے والے بھی اٹھتے جارہے ہیں۔ مولانا عبداللہ عباس ندوی کا انتقال بھی ایسی ہی شخصیت کا انتقال ہے جس نے علم وادب سے آراستہ محفل دیکھی تھی۔

صبح تک وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے بادصبا ❁ یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک

ندوۃ العلماء کی تعلیم اور مدرسی کے بعد مولانا کی زندگی کا بڑا حصہ ہندوستان سے باہر گزرا، یورپ میں رہے، سعودی عرب میں رابطہ عالم اسلامی اور پھر یونیورسٹی میں عربی زبان وادب کے اُستاد رہے۔ وہیں انگریزی اور عربی زبان میں کئی کتابیں لکھیں۔ اس پورے دور میں مولانا کا قابل تقلید امتیاز یہ رہا ہے کہ ان کا تعلق اپنے مادرِ علمی اور اپنے اُستاد اور شیخ ومربی مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے منقطع نہیں ہوا۔ وہ اس شاخ کے مانند رہے جو اپنے شجر سے ہمیشہ پیوستہ رہتی ہے اور اس تعلق میں دینی محبت اور خلوص کے سوا اور کسی جذبہ کی آمیزش نہیں تھی۔ ہندوستان سے باہر ان کے پاس عہدہ بھی تھا اور عزت بھی تھی اور مال وزر کی ریل پیل بھی۔ اس کے بعد بھی اس تعلق کی اخلاص کے سوا کسی اور چیز سے تعبیر نہیں کی جاسکتی ہے۔ یہ پہلوان کی

زندگی کا بہت قابل قدر اور بہت قابل فخر ہے۔

لیکن مولانا کی شخصیت کا جو پہلو اس سے بھی زیادہ تابناک اور اس سے بہتر، برتر، بلند اور روشن تر ہے وہ کچھ اور ہے، یوں سمجھ لیجیے کہ مولانا کی دو کتابیں ''عربی میں نعتیہ کلام'' اور قصیدۂ بُردہ کی شرح ان کی کتاب ''ردائے رحمت'' اتفاقی واقعہ کے طور پر وجود میں نہیں آئی ہیں۔ یہ دونوں کتابیں ان کی اندرونی شیفتگی کی کیفیت کا خارجی اظہار ہیں۔ یہ ان کے جذبات محبت کا عکس جمیل ہیں، یہ عشقِ رسالت مآب سے ان کی سرشاری کی دلیل ہیں۔ مولانا کی شخصیت میں سوز و مستی اور جذب وشوق کی کیفیت ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے ان کو وہ والہانہ تعلق ہے جو پروانہ کو چراغ سے ہے، بلبل کو پھول سے ہے، عشق مصطفی ان کے لئے سوز زندگی ہے، ساز زندگی ہے، راز زندگی ہے۔ جب زبان پر آپ ﷺ کا نام آتا ہے تو دامن پر اشک کے کوکب جلوہ پیرا ہو جاتے ہیں۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ رابطہ ادب اسلامی کی طرف سے اکتوبر ۱۹۹۰ء میں حیدرآباد میں سمینار منعقد ہوا تھا، اس سمینار میں مولانا اپنا مقالہ سُنا رہے تھے۔ شرکاء جلسہ نے ایک منظر دیکھا اور یہ منظر لوگوں کے قرطاسِ دل پر مرتسم ہوگیا۔ جب اس ذاتِ گرامی کا ذکر آیا جس کی غلامی ہی نہیں بلکہ اس کے غلاموں کی غلامی باعثِ صد افتخار ہے تو مولانا کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی، آواز گلوگیر ہوگئی اور آنسوؤں کی برسات شروع ہوگئی۔ احساس کی شدت سے جسم کانپنے لگا اور ان کے لیے مقالہ جاری رکھنا مشکل ہوگیا؛

جب نام تیرا لیجیے تب چشم بھر آوے
اس طرح سے جینے کو کہاں سے جگر آوے

ایک آنسو اور اس میں داستان صد ملال
کتنے دریا قطرۂ شبنم میں لہرانے لگے

مولانا کی دونوں کتابیں ''ردائے رحمت'' اور ''عربی میں نعتیہ کلام'' قلم کو خونِ دل میں ڈبونے کے بعد وجود میں آئی ہیں اور یہ کام اتنے مؤثر طریقے سے وہی شخص انجام دے سکتا ہے، جسے بادہ عشق رسول سے بھی کچھ حصہ ملا ہو، ورنہ اس ''حال'' کے بغیر اس موضوع پر لکھنا صرف ایک ''قال'' اور کمپیوٹر کا ''کمال'' ہو کر رہ جائے گا اور ایسی تحریر وجود میں آئے گی جو چوبِ قلم کی طرح خشک اور بے کیف اور بے مشک ہوگی، کوئی حرج نہیں اگر مسک الختام کے طور پر ''عربی میں نعتیہ کلام'' کے مصنف کے بارے میں کتاب کے مقدمہ میں حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے جو کچھ لکھا ہے اس کا اقتباس پیش کیا جائے:

> ''اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت برادرِ عزیز مولوی عبداللہ صاحب کے لیے مقدر فرمائی تھی، جو ہمارے علم کی حد تک ان صفات سے متصف ہیں جو اس کتاب کی تالیف کے لیے شرط ہیں، نیز خاندانی اور تربیتی لحاظ سے بھی وہ اس موضوع سے فطری مناسبت رکھتے ہیں۔''

نعت رسول اور سیرت طیبہ کے موضوع پر لکھنے کے لئے عشق کی حرارت درکار ہے، حقیقی عشق اور حقیقی محبت اس

مادی دنیا کی سب سے قیمتی متاع بے بہا ہے، اس خرمن کائنات میں وہی ایک کام کا جوہر ہے" یک دانہ محبت باقی ہمہ کاہ" یہ عشق نہ ہو تو شرع و دین بقول اقبال بت کدہ تصورات ہیں۔ یہی محبت ہے جو مولانا عبد اللہ عباس کی تمام تحریروں میں خاص طور پر سیرت اور نعتیہ شاعری کے موضوع پر کتابوں میں اس طرح پیوست ہے جس طرح پھولوں میں باد سحر گاہی کا نم۔

مولانا عبد اللہ عباس صاحب ایک مرد مومن تھے اور کلمہ طیبہ کے دونوں جز پر ان کا ایمان بہت گہرا تھا۔ جہاں تک کلمہ طیبہ کی پہلے جز کا تعلق ہے۔ انہوں نے ایک بار اپنی گفتگو میں کہا تھا" انسان سے کوئی بھی گناہ سرزد ہو جائے اس سے کسی حال میں شرک کا گناہ نہیں سرزد ہونا چاہئے۔ شرک سے مکمل اجتناب ضروری ہے۔ جہاں تک کلمہ طیبہ کے دوسرے جز کا تعلق ہے نبی کریم ﷺ پر ایمان اور ذات اقدس سے والہانہ تعلق ان کی شخصیت کی پہچان تھی۔ اس لئے اردو کی نعتیہ شاعری ہو یا عربی زبان کی نعتیہ شاعری دونوں سے ان کو خاص مناسبت تھی۔ ان کے مضامیں اور ان کی کتابیں اس کی گواہ ہیں" ان کے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل" چنانچہ ایسا ہو چکا ہے کہ جب ان کی مجلس میں کسی نے علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھا۔

مکن رسوا بہ پیش خواجہ مارا ❁ حساب من ز چشم او نہاں گیر

تو اس وقت مولانا عبد اللہ عباس ندوی کے چہرہ کا رنگ سرخ رنگین اور غم گین ہو گیا وہ آب دیدہ ہو گئے اور آواز گلو گیر ہو گئی۔ ایسے ہر موقع پر محبت کا جام تھا جو چھلک جایا کرتا تھا اور اندرونی کیفیت سامنے آجاتی تھی۔

اہل بیت سے محبت بھی محبت رسول کا لازمہ ہے۔ بے شمار روایتیں اس حقیقت کی تصدیق کے لیے کافی ہیں۔ یہی سلف صالحین کا مسلک بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ سے محبت اور اس محبت میں غیرت وحمیت سلف صالحین کا شعار رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مکتبہ الفرقان سے ایک کتاب شائع ہوئی تھی، جس کے سطور و بین سطور سے یہ بات جھلک رہی تھی کہ اس کا مصنف یزید کے خلاف حضرت حسینؓ کے اقدام کو درست نہیں سمجھتا ہے تو مولانا ندوی کی غیرت جوش میں آگئی اور انھوں نے ایسا تبصرہ لکھا، جس میں اس کتاب کے نظریہ کو چیلنج کیا گیا تھا، کتاب قابل تنقید تھی اور کتاب پر مولانا کی تنقید ائمہ سلف کے موقف کے مطابق تھی۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستان حرم ❁ نہایت اس کی حسین، ابتدا ہیں اسماعیل

حضرت حسینؓ نے اسلام کے سیاسی نظام میں یزید کی خلافت سے جو رخنہ پڑ گیا تھا، اُسے بند کرنے کی کوشش کی تھی۔ انھوں نے جبر وظلم کی آندھی میں ایک چراغ روشن کیا تھا۔ یہ چراغ جو صبح ازل میں روشن ہوا تھا، شام ابد تک جلتا رہے گا۔ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے اور آل واصحاب سے محبت مولانا عبد اللہ عباس ندویؒ کے دل و دماغ میں پیوست تھی۔ اسی لیے عربی زبان کی نعتیہ شاعری پر ان کی کتاب موجود ہے۔ مشائخ پھلواری کے نعتیہ کلام پر بھی ان کا مقالہ موجود ہے۔ محسن کاکوروی کی نعت" سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل" پر ان کا مضمون بے مثل اور بے نظیر ہے۔ انہوں نے قصیدہ بانت سعاد اور قصیدہ بردہ کی اردو میں شرح وترجمانی کی ہے اور" ردائے رحمت" کے نام سے کتاب شائع کی ہے، پھر ان کی کتاب

''پیغمبر اخلاق وانسانیت'' گلدستہ سیرت کا ایک خوشنما، خوشرنگ اور خوشبو دار پھول ہے، بلکہ گل سرسبد ہے ان کی کتاب ''تدوین سیرت'' بھی سیرت کے موضوع سے ان کے شغف کی آئینہ دار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محبت رسول مولانا عبداللہ عباس کی شخصیت کی پہچان ہے اور ان کا امتیاز خاص ہے، جس طرح ہر پھول کا خاص رنگ ہوتا ہے، خاص خوشبو ہوتی ہے، خاص خراش و تراش ہوتی ہے، اسی طرح سے محبت رسول اور عشق نبوی مولانا کے ضمیر میں ان کے خمیر میں داخل ہے اور یہ مولانا کی شخصیت کی پہچان بن گئی ہے۔ سیرت پر کتابیں لکھنا، عربی کی نعتیہ شاعری پر کتاب لکھنا، اردو کی نعتیہ شاعری پر کتاب لکھنا اور خود بھی نعتیہ اشعار کہنا ان کی اسی محبت کا اظہار ہے۔ ان کے اشعار کا مجموعہ'' کلام عارف'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ یہ وہ محبت کا جام ہے جو بار بار چھلکتا رہتا ہے اور یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ بخاری اور مسلم کی حدیث ہے'' لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین ''یعنی تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا ہے جب تک کہ میں اس شخص کے لئے اس کے باپ سے اولاد اور سب سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔

یہاں بطور جملہ معترضہ یہ عرض کرنا ہے کہ محبت رسول صرف ایک خالی خولی نظریاتی عمل نہیں ہے، محبت رسول کے اثرات انسان کے اعمال واخلاق پر اثر انداز ہوتے ہیں، یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان صاحب خلق عظیم کی محبت میں گرفتار ہو اور پھر اس ذات گرامی کے اخلاق وشمائل کا کوئی سایہ اس پر نہ پڑے۔ مجھے اندازہ ہے کہ غریبوں، بے کسوں اور مسکینوں کی دست گیری اور حاجت روائی مولانا عبداللہ عباس ندوی کا شعار تھا۔ غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ ان کے محبت اور شفقت کے واقعات تو ان کے اہل خانہ ہی تفصیل کے ساتھ بیان کرسکتے ہیں۔ ایک واقعہ کا راقم سطور بھی گواہ ہے۔ یہ سب لوگ جانتے ہیں کہ مولانا عبداللہ عباس ندوی دولت مند مملکت سعودی عرب کے شہری تھے۔ رابطہ عالم اسلامی میں باوقار عہدہ پر فائز تھے اور بعد میں ام القری یونیورسٹی کے استاذ مقرر ہوئے۔ ایسے لوگوں کے پاس مال و دولت کی فراوانی تو ہوتی ہی ہے اور اہل حاجت ان کے پاس آتے ہیں۔ مولانا عبد اللہ عباس ندوی کا قیام جب دہلی میں تھا تو راقم نے دیکھا تھا کہ حیدرآباد کے ایک صاحب علم وفضل اور صاحب قلم ان کے پاس آیا کرتے تھے۔ راقم سطور کا جب قیام بسلسلہ ملازمت حیدرآباد میں ہوا تو مولانا عبداللہ عباس صاحب نے ایک بڑی رقم مجھے ان کو پہونچانے کے لئے دی، میں ان بزرگ سے واقف تو تھا لیکن ان کے گھر کا محل وقوع مجھے معلوم نہیں تھا۔ میں نے یہ رقم پہونچانے کے لئے ایسے صاحب کو دی جو ان کے گھر سے واقف تھے، جب میں نے مولانا عبداللہ عباس صاحب کو بتایا تو برافروختہ ہوئے اور یہ کہا کہ تمہیں دوسروں کی عزت نفس کا خیال نہیں ہے، وہ کیا سوچیں گے کہ مالی اعانت کی خبر غیر متعلق لوگوں کو ہوگئی۔ مولانا خاموشی سے مفلوک الحال لوگوں کی مدد کرتے تھے۔

نسبت تصوف کی ایک اصطلاح ہے، نسبتیں منتقل ہوتی ہیں۔ مولانا عبداللہ عباس ندوی کو اپنے مرشد اور استاد مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے جو تعلق تھا اس کی وجہ سے ان کی بہت سے نسبتیں منتقل ہوئی تھیں۔ مولانا علی میاںؒ کی ایک نمایاں

خصوصیت یہ تھی کہ کوئی شخص اگر حرف مطلب زبان پر لاتا تو ان کے لئے انکار مشکل ہو جاتا، دلداری اور دلنوازی ان کی فطرت میں داخل تھی۔ یہ نسبت مولانا عبداللہ عباس ندوی کی طرف منتقل ہوئی تھی، ایک رمضان ان کے انتقال سے پہلے راقم کو مکہ میں گذارنے کا موقعہ ملا، یہ ان کی علالت کا زمانہ تھا، میں نے دیکھا کہ نماز پڑھنا اور سجدہ سے سر اٹھانا مشکل لیکن پھر بھی ملنے والوں سے خندہ پیشانی سے مل رہے ہیں، اور اپنی کمزوری کا اظہار نہیں کرتے ہیں، انہیں یہ بھی پسند نہیں تھا کہ لوگ مجلس میں کسی شخص یا شخصیت کے بارے میں مخالفانہ تبصرہ کریں، ان کے یہاں اس معاملہ میں مکمل کف لسان تھا، اشارتاً بھی کوئی ریمارک کسی کے خلاف ان کی زبان پر نہیں آتا، وہ کسی شخص کا تذکرہ کرتے تو اس کے اچھے پہلو کو نمایاں کرتے، مجھے محسوس ہوا کہ اب آخرت کا استحضار غالب آ گیا ہے، انہیں اب محسوس ہو چکا ہے کہ اب صبح زندگی کی شام ہو چکی ہے اور اب طائر روح اپنے حقیقی آشیانہ کی طرف مائل پرواز ہے، مجھے محسوس ہوا کہ یہ مولانا علی میاںؒ کی نسبت ہے جو کام کر رہی ہے، مولانا علی میاں کا یہ بڑا امتیاز تھا کہ کبھی کسی کی برائی ان کی زبان سے نہیں سنی گئی۔

پھلواری شریف میں رابطہ ادب اسلامی کی طرف سے اب ان کی شخصیت پر سمینار منعقد ہو رہا ہے۔ یہ کام بہار کے علمی ادبی حلقوں پر ایک قرض بھی تھا اور ایک فرض بھی تھا۔ اس سمینار میں مولانا کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر اصحاب علم وفضل روشنی ڈالیں گے۔ کوئی بزرگ مولانا کی بہت قابل قدر کتاب ''میر کارواں'' کو مقالہ کا موضوع بنائیں گے، یہ کتاب مولانا نے اپنے پیر ومرشد اور نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام کی عظیم شخصیت مولانا ابوالحسن علی ندوی کے بارے میں تصنیف کی ہے۔ اور مولانا کی سیرت واخلاق کے بارے میں اپنے مشاہدات انہوں نے قلم بند کئے ہیں۔ بعض اہل علم ان کے سفرنامہ یورپ ''چند دن دیار غیر میں'' یا ''سفرنامہ حیات'' کو اپنے مقالہ کا موضوع بنائیں گے۔ بعض علماء دین اور واقفان منصوصات ومآخذ دین مبین ان کی کتاب ''قاموس الفاظ القرآن الکریم'' (عربی انگریزی) یا ''ترجمات معانی القرآن الکریم'' (عربی) یا ''مذاہب المخرفین فی التفسیر'' (عربی) کے بارے میں یا ''مکررات القرآن'' کے بارے میں اظہار خیال فرمائیں گے۔ اعجاز قرآن کے موضوع پر مولانا کی گراں قدر تصنیف ہے جس کا نام ہے ''قرآن تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا معجزہ''، امام بخاری کی الادب المفرد کو دو جلدوں میں انہوں نے اردو زبان کا جامہ پہنایا ہے۔ لسانیات سے شغف رکھنے والے اسکالر مولانا کی کتاب ''تعلم لغۃ القرآن الکریم'' یا ''نظام اللغۃ الاردویہ'' یا ''دروس الاطفال'' یا ''دروس اللغۃ العربیۃ'' کو اظہار خیال کا موضوع بنائیں گے۔ مختلف موضوعات پر مولانا کی کتابیں دیکھئے تو محسوس ہوگا ایک باران مسلسل ہے ایک تار تصنیف ہے جو ٹوٹنے کا نام نہیں لیتا ہے، مضامین نو بہ نو کا انبار لگتا جا رہا ہے اور آواز آ رہی ہے ''خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو'' اور یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ ان کے چوب قلم سے علم وادب کی ایک جوئے رواں نکلی ہے جو گاتی ہوئی گنگناتی ہوئی سنگ رہ سے گاہ بچتی گاہ ٹکراتی ہوئی نخلستانوں کو آباد اور مرغزاروں کو شاداب کرتی ہوئی جا رہی ہے۔ ۲۵ سے زیادہ کتابیں، اب کوئی دو تین کتابیں بھی ایسی نہیں لکھتا محفلوں میں جس کا

ذکر ہو علم وادب کی بزم میں جس کا نام لیا جاتا ہو اب تو کسی کو کتاب پڑھنے کی فرصت نہیں۔ اب نہ کوئی علم کے لئے جانفشانی کرسکتا ہے نہ اپنے نیند کی قربانی کرسکتا ہے اس لئے اب نہ کوئی عالم پیدا ہوتا ہے نہ ادیب بقول کلیم عاجزؔ:

مت کہیو کہ اب مجنوں نہ رہا لیلیٰ نہ رہی محمل نہ رہا ❁ کہیو کہ لہو کا کھیل ہے سب اور اتنا لہو فاضل نہ رہا

مولانا کی کتابوں کی کثرت کے درمیان اور تصنیفات کی وسعت کے درمیان کوئی ادیب کوئی انشاء پرداز کسی آشنائے راز سے کسی واقف سوز وساز سے اگر دریافت کرے گا کہ مولانا کی کوئی ایسی تحریر بتاؤ جس میں مولانا کے دل کی دھڑکن شامل ہو اور رگ ساز میں صاحب ساز کا لہو رواں ہو اور مولانا کی اصل شخصیت کی نقاب کشائی جس سے ممکن ہو تو وہ واقف حال وہ محرم راز شخص بتائے گا کہ مولانا نے اردو اور عربی کی نعتیہ شاعری پر جو کام کیا ہے اس کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرلیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ" ہے رگ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو" مثال کے طور پر محسن کاکوروی کی نعت "سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل" کی شرح وترجمانی جو مولانا نے فرمائی ہے اس پر ایک نظر ڈالئے تو لفظ لفظ سے دل کے دھڑکنے کی آواز آئے گی۔ ہمیں اعتراف ہے کہ ہم نے جب کالج میں اس طویل نعت کا شروع کا حصہ یا ٹکڑا جو نصاب میں داخل تھا پڑھا تھا تو سمجھ میں ہی نہیں آیا تھا کہ یہ نعت کیسی ہے یہ تو نعت معلوم ہی نہیں ہوتی ہے "سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل" کاشی اور متھرا تو ہندوؤں کے استھان ہیں، نہ مدینہ کا ذکر، نہ روضہ اقدس کا تذکرہ، نہ جبل احد کا، نہ بقیع کا بیان۔ البتہ ذکر ہے تو کاشی کا، متھرا کا اور ذرا آگے چل کر گنگا جل کا، گوکل کا، کرشن کنھیا کا۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل ❁ برج میں آج سری کشن ہے کالا بادل
کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی ❁ ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل

مولانا عبداللہ عباس ندوی کی شرح وترجمانی پڑھنے کے بعد جا کر محسوس ہونے لگتا ہے کہ محسن کاکوروی کی اس نعت کے ابتدائی حصہ میں تقریبا ویسا ہی مضمون ہے جو علامہ شبلی کی کتاب سیرۃ النبی میں ظہور قدسی یعنی ولادت باسعادت کے باب میں موجود ہے۔ جیسے یہ کہنا کہ آتش پارس بجھ گئی، دریائے ساوہ خشک ہوگیا، شہنشاہ روم کے قلعوں کے کنگرے گر گئے یا جیسے مولانا علی میاں ندوی نے اپنی کتاب "نبی رحمت" میں زمانہ جاہلیت کا حال قلمبند کیا ہے۔ ہندوستان کا عظیم شاعر محسن کاکوروی ہندوستان کے پس منظر میں جب ظہور قدسی کے موقعہ پر نعتیہ کلام کا اپنے کنج لب سے آغاز کرتا ہے تو وہ جہالت کا اندھیرا یہاں کے خاص ماحول، پس منظر اور یہاں کی تعبیرات کے مطابق پیش کرتا ہے وہ شرک اور بت پرستی کے اندھیروں کا اس طرح تذکرہ کرتا ہے۔

کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی ❁ ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل
شب کو مہتاب نظر آئے نہ دن کو خورشید ❁ ہے یہ اندھیر مچائے ہوئے تاثیر زحل
وہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ نظر آئے نہ شمع ❁ گرچہ پروانہ بھی ڈھونڈھے اسے لے کر مشعل
شاہد کفر ہے مکھڑے سے اٹھائے گھونگھٹ ❁ چشم کافر میں لگائے ہوئے کافر کاجل

یہ شاعر محسن کاکوروی اردو شاعری کی اس نرالی اور بے مثال نعت میں ہندوستان کے بت خانوں کے تذکرہ کے بعد افتاں وخیزاں رحمۃ للعالمین کے دربار تک رسائی حاصل کرلیتا ہے اور کہتا ہے۔

تار باران مسلسل ہے ملائک کا درود ❁ پئے تسبیح خداوند جہاں عزوجل
محسن اب کیجئے گلزار مناجات کی سیر ❁ کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھر تا بادل
سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل ❁ مرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل
ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی ❁ نہ مرا شعر، نہ قطعہ، نہ قصیدہ، نہ غزل

یہ نعت، نعتیہ شاعری کی پوری تاریخ کی ایک انوکھی اور نرالی نعت ہے جس کی ترجمانی مولانا عبداللہ عباس ندوی نے اپنے خاص انداز سے کی ہے ایسے انداز میں جس میں عشق رسول کا سوز بھی ہے، ساز بھی ہے، دل کا گداز بھی ہے، آخرت اور جنت کے احوال کا راز بھی ہے۔ آخر میں ایک خاص منظر سامنے آتا ہے عالم قدس میں نعت کی محفل منعقد ہورہی ہے اور خود شہنشاہ کونین اس محفل میں ملائک کے ہجوم میں جلوہ فرما ہیں اور حضرت محسن کاکوروی سے جبرئیل امین اسی نظم اور اسی نعت کی فرمائش کررہے ہیں۔ کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس محفل نور وسرور میں مولانا عبداللہ عباس ندوی کو بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی ہوگی کیونکہ وہ دنیا میں اپنے دل بیتاب کے ساتھ، اپنی چشم پرآب کے ساتھ حضرت محسن کاکوروی کی نعت کے شارح اور ترجمان بنے تھے، وہ عالم قدس میں زمرد ویاقوت کی قبا زیب تن کئے ہوئے فردوس بریں کی خوبصورت پوشاک پہنے ہوئے اپنی پسندیدہ نعت حضرت محسن کاکوروی کی زبان سے سن رہے ہوں گے، شاعر نے اس نعت میں تمنا کی ہے کہ عالم قدس میں قدسیوں کی موجودگی میں حضور رسالت مآب میں، شہنشاہ کونین کی محفل میں اس کو یہ نعت سنانے کی اجازت مرحمت ہو، محسن کاکوروی بایں الفاظ اجازت کے طالب ہوتے ہیں۔

صف محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مداح ❁ ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ، یہ غزل
کہیں جبرئیل اشارہ سے کہ ہاں بسم اللہ ❁ سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

یہ ہے وہ صلہ جو گمان غالب ہے کہ حضرت محسن کاکوروی کی نعت کی شرح وترجمانی کا ان کو ملے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو دنیا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور آخرت میں آپ کی معیت اور آپ کی شفاعت نصیب فرمائے اور مولانا عبداللہ عباس صاحب کی شخصیت پر سمینار کرنے والوں کی کوششوں کو قبول فرمائے۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کے لئے

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

شعروسخن کے حوالے سے ڈاکٹر مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کا
فارسی زبان وادب سے تعلق

● مولانا محمد عاصم قادری ـــ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

ہندوستان کی سرزمین سے فارسی زبان وادب کا تعلق صدیوں پر محیط ہے، عہد وسطی کے ہندوستان میں عرصۂ دراز تک فارسی ہندوستان کی دفتری زبان رہی، ہندوستان کا اکثر اسلامی لٹریچر بھی فارسی زبان پر مشتمل ہے، ماضی کا ہندوستان فارسی زبان کے لئے ایک عہد زریں تھا، سلاطین مغلیہ کی شعرانوازی اور علم دوستی سے متاثر ہوکر ایران کے فارسی شعرا کی ایک بڑی جماعت وارد ہند ہوئی، یہاں تک کہ ایک طریقۂ نگارش ''سبک ہندی'' کے نام سے وجود پذیر ہوا؛ مگر عہد مغلیہ کے خاتمہ کے ساتھ فارسی زبان وادب کے ہندی آسماں پر انحطاط کا بادل چھا گیا، اور فارسی زبان کا وہ زور جو سابق میں موجود تھا، جاتا رہا، اس کے باوجود ہندوستان کے مختلف علاقوں میں علمی وادبی زبان کے طور پر فارسی زبان رائج رہی، وہاں کے اصحاب علم وفضل کے علمی اثاثے فارسی زبان میں آج بھی موجود ہیں۔

پھلواری شریف میں آباد خانوادۂ حضرت پیر مجیبؒ ایک ایسا ہی خاندان ہے، جس نے ادب اسلامی کی ترویج و اشاعت کے لئے فارسی زبان وادب کو اختیار کیا اور آج بھی جب کہ فارسی ہندوستان میں چراغ سحر ہو رہی ہے اور اس کی جگہ دیگر زبانیں ہندوستان کی قومی زبان بن چکی ہیں، فارسی زبان کا چراغ حیطۂ خانقاہ میں روشن ومنیر ہے، خانوادۂ حضرت پیر مجیبؒ کی علمی باقیات کا زیادہ تر حصہ فارسی میں پایا جاتا ہے، ادب، تذکرہ، منطق وفلسفہ اور فقہ وتصوف کے بے شمار سرمائیے بزرگان خانوادۂ پیر مجیبؒ کی علمی باقیات کے نمائندہ ہیں، شعروسخن کا ملکہ خالق کائنات سے اس خاندان کو فطرتاً ودیعت ہوا ہے، یہ وہ خاندان ہے جس میں حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے بقول: ''ذکر واشغال کے ساتھ ساتھ شاعری اور کم از کم سخن فہمی اور سخن شناسی کا ذوق متوارث رہا ہے'' اور یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ عشق ومحبت کے اظہار کا بہترین ذریعہ شاعری ہی ہے، نثر میں وہ

لطافت اس درجہ قابل کشش نہیں ہوتی ہے، جو شاعری کو حاصل ہے؛ چنانچہ سرخیل خاندان حضرت تاج العارفین مخدوم سید شاہ پیر محمد مجیب اللہ قادریؒ کی اولاد میں بکثرت علما وفضلا ایسے ہوئے، جن کو عشق ومحبت حقیقی کی بنیاد پر شعر وسخن سے رشتہ وتعلق رہا، اسی سلسلہ کی ایک کڑی حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ بھی تھے، مولانا کے اجداد میں سبھی اصحاب تدریس ہونے کے ساتھ ساتھ سخن سنجان بھی ہوئے، عشق ومحبت سے بھرا دل اللہ نے انہیں عطا کیا تھا، سعدی شیرازیؒ کے الفاظ میں مولانا عبداللہ عباس ندویؒ اوران جیسے اکابر خاندان کو عشق حقیقی سے لبریز دل نے یہ کہنے کا حق دیا کہ ؎

ہمہ قبیلۂ من عالمان دیں بودند ❁ مرا معلم عشق تو شاعری آموخت

میرے سب قبیلہ والے بڑے عالمان دیں تھے

تیرے درس عشق میں ہی مجھے شاعری سکھادی

بانیٔ خانقاہ حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ پیر محمد مجیب اللہ قادریؒ کے پسرزادگان میں حضرت مولانا سید شاہ محمد ابوالحسن فردؔ پھلواروی ؒ ایک باکمال فقیہ تھے، عہد غالب کے ممتاز ترین، صاحب دیوان، فارسی کے شاعران عرفان وتصوف میں ان کا شمار ہوتا ہے، ہم عصر علما میں بڑے مقبول تھے، حضرت سید احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا عبدالحیؒ کو ان سے خاص ربط تھا، محدث سعید حسرت عظیم آبادی نے خسرو ثانی کہہ کر حضرت فرد کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

درزمین ہند حسرت بعد خسرو ہم چو فرد ❁ درگمان مانشد پیدا غزل خوان دگر

اسی طرح آپ کے برادران ذیشان میں بھی سبھی اصحاب تدریس وتالیف ہونے کے ساتھ فارسی کے ماہر سخن دان و سخن وران ہوئے، ہمارے ابوالمجد حضرت امیر شریعت ثالث مولانا سید شاہ محمد قمر الدین قادریؒ فرماتے تھے کہ ”حضرت فردؒ اور ان کے برادران آسمان کمالات ظاہریہ وباطنیہ کے سبع سیارہ تھے“، ان میں حضرت مولانا محمد امام جنون جو مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کے سلسلۂ اجداد میں شامل ہیں، منطق وفلسفہ کے تدریس میں شہرہ آفاق تھے، آپ کی تصانیف میں شرح تہذیب، حاشیہ میرزاہد ملا جلال قابل مطالعہ کتابیں ہیں، شعر وسخن کا اعلی مذاق رکھتے تھے، فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں عمدہ اشعار کہے ہیں، مجموعۂ کلام کتب خانۂ مجیبیہ بدریہ کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے، نمونۂ کلام کے لئے قلبی واردات سے لبریز چند اشعار دیکھئے:

مرا گناہ وتر ابحر رحمت است بجوش ❁ خوشا گناہ کہ رحمت جزائے من باشد

امام بندۂ مسکیں کمینہ درگہ تو ❁ بود کہ گوشۂ چشمے برائے من باشد

راہ عشق میں ان کی قوت ارادی پر ان کا ایک شعر ملاحظہ کیجئے:

مدار دست از طلب کہ در عشق مرگ خوشتر دریں تمنا

فان ھلکت فعشت ابدا وان ترکت ھلکت ابدا

ثامن محرم ۱۲۵۵ھ کو آپ نے وفات پائی، آپ کے برادر گرامی حضرت فردؒ نے ان کی وفات پر چند تاریخیں لکھی تھیں، ان میں ایک شعر تاریخ تعمیہ میں مولانا امام کی شخصیت علمی کا مکمل ترجمہ ہے۔

فرد گفت از سر افسوس واے
امام عصر گویا از جہاں رفت

مولانا محمد امام جنون کے صاحب زادگان حضرت مولانا آل احمد محدث مدنیؒ اور حضرت مولانا نور احمد پھلواریؒ ہوئے، ان میں حضرت مولانا آل احمدؒ کو طفولیت سے علم حدیث کا ذوق تھا، بطرز محدثین اس فن کی حصول یابی کے لئے طویل اسفار کئے اور پھر مدینۂ پاک میں رہ کر اس فن کو بکمال کسب کیا، ان کے شیوخ حدیث میں: شیخ یحیٰ شنقیطی، شیخ احمد زینی دحلان اور شیخ ارتضا صفوی جیسے کبار محدثین شامل ہیں، ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جا کر علم حدیث کی اشاعت فرمائی، فطرتاً شعر وسخن سے بھی دلچسپی تھی، ان کے اشعار آرزوئے قلبی کے مکمل ترجمان اور صدق محبت کا آئینہ ہیں، نعتیہ کلام کا ایک مقطع ہے ؎

آل احمد از جنابت علم دارد آرزو
نیست اورا جز تو ہرگز لطف فرمائے دگر

۱۲۹۵ھ میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں سپرد خاک ہوئے۔

مولانائے مذکور کے برادر خورد مولانا نور احمدؒ بھی شعری ذوق کے حامل تھے؛ مگر ان کی شعری باقیات تلاش وجستجو کی مقتضی ہیں، آپ کے عالی قدر پوتے مولانا عباس صاحبؒ بھی شعری مذاق رکھنے والے عالم دین تھے، مولانا کے پسر گرامی حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ ہوئے، جو اسی چمنستان ادب کے گل خوش رنگ و بو تھے، اسلامی ادب کے ایک ترجمان ہونے کی حیثیت سے ان کی شخصیت جامع ترین تھی، وہ بیک وقت ایک باکمال عالم دین، مصنف ومنتقد، ایک بہترین اور کامیاب مترجم کے طور پر مشہور زمانہ ہوئے، ہر مکتب فکر میں قبولیت کی نگاہ سے دیکھے گئے، مولانا علیہ الرحمہ اصلاً ایک خالص اسلامی طرز کے مدرس تھے، قرآن وحدیث کی خدمت ان کا اصل موضوع تھا، اس خدمت کے لئے انہوں نے جدید طرز پر لسانیات کو اپنا اختصاصی موضوع بنایا تھا، وہ اس فن میں بھی حد درجہ مہارت رکھتے تھے، ان کی تحریروں میں لسانیات کی جلوہ گری نظر آتی ہے، باضابطہ طور پر فرہنگ نویسی سے صرف نظر ان کی تحریروں سے اگر الفاظ ومعانی کی تحقیقات کو علاحدہ طور پر مرتب کیا جائے، تو ایک مکمل ادبی فرہنگ تیار ہوسکتی ہے۔

بہر حال حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کو بھی خاندانی اثر اور لسانی ذوق کی بنا پر فارسی زبان وادب سے گہری مناسبت حاصل تھی، خاندان کی علمی وتہذیبی فضا میں پلنے کی وجہ سے عربی ماحول میں علمی زندگی بسر کرنے کے باوجود فارسی زبان و ادب کی طرف ان کا میلان باقی رہا، ان کی تحریروں میں بطور استشہاد فارسی کے اشعار اس طرح پیوستہ وآمیختہ پائے جاتے ہیں،

جن سے صنعت تلفیق نثر بنظم کا لطف بخوبی حاصل ہوتا ہے، مولانا علیہ الرحمہ کو عربی کے ساتھ فارسی کے اشعار بکثرت یاد تھے، بقول مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ ''حافظ کا ایک شعر وہ بڑے ذوق وکیف کے ساتھ پڑھا کرتے تھے'':

من کہ باشم کہ دراں خاطر عاطر گذرم
لطفہا می کنی ائے خاک درت تاج سرم

اس شعر پر انہوں نے تضمین بھی فرمائی تھی، اس کا ایک شعر جو مولانا شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا علیہ الرحمہ پر رقم کردہ اپنے مضمون میں نقل کیا ہے، وہ یہ ہے:

من کہ آوارہ و ناکارہ و شوریدہ برم
ہم چو خاشاک رمیدہ پس دیوار حرم

ان کا یہ شعر پھلواری شریف کی نعتیہ شاعری کے ایک اختصاصی پہلو اور ایک منفرد اسلوب کی نمائندگی کرتا ہے، جس پر خود مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کا ایک مضمون ''مشائخ پھلواری کی نعتیں''، موجود ہے، پورا مضمون پڑھنے کے لائق ہے، فارسی ادب سے مولانا علیہ الرحمہ کے تعلق کی وہ ایک روشن مثال ہے، مولانا علیہ الرحمہ کے متذکرۂ بالا شعر کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس شعر کی تفہیم اور مولانا کی فارسی سخن فہمی کے لئے مضمون مذکورۂ بالا کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:

مولانا شاہ علی حبیب نصر پھلواری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں ''عقائد اہل سنت میں راسخ اور علوم دینیہ میں کامل دست گاہ رکھتے تھے''ان کا ایک شعر......

چو سگم مکیں بہ سکان تو وز جملہ بے قدرم ولے
بدرت کہ جز در پاک تو بدرے دگر گزرے نشد

اس شعر میں آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ شاعر نے یہ نہیں کہا کہ یا رسول اللہ! آپ کے سر مبارک پر تاج نبوت درخشاں ہے یا آپ کا قد بالا سرو وصنوبر کو شرمندہ کر رہا ہے یا آپ کا چہرۂ انور آفتاب کو ماند کر رہا ہے...... یہ سب کچھ نہیں کہا، صرف یہ بتایا کہ ہم اپنے تئیں کیا ہیں اور آپ سے ہمارا کیا تعلق ہے۔

یہ شعر اگر ایک طرف پورے دیوان پر بھاری ہے تو دوسری طرف اس منفرد اسلوب کا نمائندہ ہے، جو مشائخ پھلواری کی نعتوں کا طرۂ امتیاز رہے، جن کو پڑھ کر سخت سے سخت مدعیٔ توحید بھی سر جھکا دے اور اہل دل کی آنکھ بھر آئے۔

مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کی فارسی ادب کے تعلق سے یہ ایک ناقدانہ رائے ہے، خود ان کے فارسی نعتیہ اشعار میں بھی عمومی خیال یہی پایا جاتا ہے، ان کے فارسی اشعار خصوصیت کے ساتھ آفتاب نبوت کی شعاعوں سے تاباں نظر آتے ہیں، اسی مذکورہ اسلوب کی رعایت میں مولانا علیہ الرحمہ کی ایک تضمین حضرت ملا جامی کے مشہور مثنوی ''یوسف زلیخا'' کے

ایک مقبول ترین نعتیہ شعر ؎

زمہجوری برآمد جان عالم
ترحم یانبی اللہ ترحم

پر بھی موجود ہے، حضرت جامی کا یہ وہ نعتیہ شعر ہے، جس نے عجم کی دنیا میں عشق نبوی کی تحریک برپا کردی، نہ جانے کتنے لوگوں نے حضرت جامی کی اس نعت پر کچھ لکھ کر آستان نبوت میں قبولیت کی امید لگائی عشق نبوی کی دولت سے سرشار ہوئے، مولانا کی یہ تضمین کے اشعار ملاحظہ کیجئے، نہ کسی عشق ومحبت کا دعوی ہے، نہ منصب نبوت کی بڑی بڑی باتیں نظم کی گئی ہیں، اظہار ہے تو آقائے رحمت ﷺ کے سامنے صرف ایک کمترین امتی ہونے کا، آرزو ہے تو مقبولان بارگاہ نبوی کی صف آخر میں ہی سہی؛ شمولیت پانے کی۔

منم رسوا حقیر وبے نوایم ❁ فگندہ سرز انبار گناہم
مگر در لحن جامی می سرایم ❁ زمہجوری برآمد جان عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم
بہ عصیاں ریختم من ابرویم ❁ نہ صحجم رونقے دارد نہ شامم
بایں درماندگی مدح تو خوانم ❁ زمہجوری برآمد جان عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم
کجا سوز دل پروانہ یابم ❁ کجا نقش رہ خاصاں بیارم
مگر شاہا بہ الطاف تو نازم ❁ زمہجوری برآمد جان عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم
توئی سرمایۂ دنیا ودینم ❁ پناہ ایں جہان وآں جہانم
توئی آقا توئی مولا ویارم ❁ زمہجوری برآمد جان عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم
جہانم تیرہ گشت و تیرہ راہم ❁ بہ رویت از خدا اشراق خواہم
پناہ بیکساں امید دارم ❁ زمہجوری برآمد جان عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم

مختصراً یہ کہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ اگرچہ فارسی زبان وادب کے مستقل طور پر خدمت گزار نہیں تھے؛

البتہ خاندانی طور پر انہیں بھی فارسی زبان وادب سے وہی تعلق تھا، جو ان کے ہم چشموں اور ہم درسوں کو حاصل تھا، وہ جس انداز سے فارسی زبان وادب کو اردو تحریروں میں پیوست کر کے پیش کرتے رہے، اگر مکمل طور پر وہ اس جانب متوجہ ہوتے، تو یقیناً فارسی ادب میں بھی ان کے کارنامے اسی نوعیت کے ہوتے، جن سے عربی ادب میں ان کا نام روشن ہے، اس کے باوجود جو چیزیں فارسی کے تعلق سے مولانا کی تحریروں اور ان کے فارسی اشعار میں موجود ہیں، وہ ان کی قابلیت وتعلق فارسی کی عمدہ مثالیں ہیں، امید قوی ہے کہ فارسی زبان کے تعلق سے جو ان کی علمی باقیات منظر عام پر آچکی ہیں، ان کے علاوہ بھی علمی وادبی شہ پارے ان کی ذاتی بیاضوں میں موجود ہوں گے، اس سلسلہ میں مزید تحقیق وجستجو کی ضرورت ہے؛ تاکہ علمی دنیا مولانا کی فارسی خدمات سے مکمل طور پر مستفید ہو سکے۔

"دفن ہو جائے نہ خوشبو بھی کہیں پھول کے ساتھ
یہی خوشبو، تو ہے اس بزم کا حاصل ساقی"

فہرست منابع :

(۱) اعیان وطن : مولانا حکیم شاہ شعیب رضوی؛ دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ
(۲) عربی میں نعتیہ کلام : مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی؛ بزم ادب
(۳) خطبۂ صدارت : حضرت امیر شریعت ثالث مولانا شاہ محمد قمر الدین قادری، خانقاہ مجیبیہ
(۴) المجیب سہ ماہی : دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

توجہ طلب

سہ ماہی مجلہ "المجیب" میں شائع ہونے والے مضامین میں حسب ضرورت تلخیص اور الفاظ وتراکیب کی تصحیح کرنی پڑتی ہے۔

اہل قلم حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ اِسے گوارہ فرمائیں۔ بصورت دیگر ہماری معذرت قبول فرمائیں۔۔۔ (ادارہ)

اسلامی ادب میں وفیات نویسی کی روایت

● ڈاکٹر عارف نوشاہی — ادارۂ معارف نوشاہیہ، اسلام آباد، پاکستان

مسلمانوں نے تاریخ نویسی (Historiograghy) میں جو تجربے کیے ہیں اور واقعات کو ماہ وسال کے ذکر کے ساتھ محفوظ رکھنے کے لیے ان کے تخلیقی ذہنوں نے جو نئی نئی راہیں نکالی ہیں، اس سے اسلامی ادب کی تاریخ کے ابواب روشن اور معمور ہیں۔ کسی واقعہ کی تاریخ (Date) کے لیے ہمارا پہلا ماخذ تاریخ کی عام کتابیں اور رجال کے تذکرے ہیں، جن میں کسی واقعہ کو وقت، دن، مہینے اور سال کے ذکر کے ساتھ نہایت اہتمام اور دِقّتِ نظر کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ یہ تاریخیں اور تذکرے سلاسل، طبقات، ملل ونحل، ادوار، مقامات اور بلاد وامصار وغیرہ کے حوالے سے لکھے گئے اور ان سب میں واقعات کی تاریخ لکھنے کا خاص التزام رہا ہے۔ انہی تاریخوں اور واقعات کو خوش ذوقی اور ادبی چاشنی کے ساتھ بیان کرنے کے لیے مسلمان مؤرخین اور شاعروں نے مادۂ تاریخ بنانے اور قطعۂ تاریخ کہنے کا فن ایجاد کیا اور اس میں بھی اپنی طبّاعی اور ذہانت کے جوہر دکھائے ہیں۔ قطعاتِ تاریخ پر عربی، فارسی، اردو میں کتب کا معتد بہ ذخیرہ موجود ہے۔

تاریخیں محفوظ کرنے کا ایک اور راستہ جو ہمارے مؤرخین نے اختیار کیا وہ وفیات نگاری اور کسی ایک مقام پر مدفون لوگوں کا تذکرہ اور ان کی قبور کی الواح یا کتبات نویسی ہے۔ ان موضوعات پر بھی مذکورہ زبانوں میں اب تک اس قدر مواد تصنیف ہو چکا ہے کہ خود اس کے شمار کے لیے ایک کتابیات کی ضرورت ہے۔ ان تمام موضوعات پر کتابیں وفات پا جانے والوں کی تاریخوں کی طرف راہ نمائی کرتی ہیں اور انہیں تاریخ ہائے وفات کے سلسلے میں بنیادی مآخذ سمجھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے ان تمام موضوعات پر لکھی جانے والی کتب کے تذکرے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ قارئین اس کے لیے ادب کی تاریخوں، مخطوطات کی فہرستوں اور مطبوعات کی کتابیات سے رجوع کر سکتے ہیں۔ یہاں چند ایسی اہم ترین کتابوں کا تذکرہ مقصود ہے جو خاص وفیات کے حوالے سے لکھی گئی ہیں۔ بے شک یہ تمام کتابیں ترتیب اور معیار کے اعتبار سے ایک جیسی نہیں ہیں، بلکہ ان میں سے بعض تو خالصتاً تذکرۂ رجال ہیں، چوں کہ مصنفین نے انہیں وفیات سے مختص کیا ہے، لہٰذا ہم بھی انہیں ''وفیات نویسی'' کے فن میں شامل کرتے ہیں۔

عربی کتب :

اسلامی عہد کے ادب میں وفیات نگاری کی روایت عربی زبان میں شروع ہوئی اور اس نے دوسری زبانوں فارسی، ترکی اور اردو ادب میں وفیات نگاری کو بھی متاثر کیا۔ عربی ادب میں بالخصوص علمِ تاریخ میں ایک خصوصیت یہ رہی ہے کہ ایک موضوع پر جب کوئی اہم تصنیف پہلی بار سامنے آتی تو بعد کے زمانے کے مصنفین اس موضوع کو آگے بڑھاتے اور اس پر تکملے اور ذیول لکھتے، جو اپنی جگہ پر خود مستقل تصانیف شمار ہوتے ہیں۔ حافظ خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ/ ۱۰۷۱ء) کی تاریخ بغداد ہی کو لے لیجیے، متأخرین نے اس کے ذیل در ذیل لکھے ہیں۔ یہی حال وفیات پر لکھی جانے والی کتابوں کا بھی ہے۔ اس موضوع پر قدیم ترین کتاب یعقوب بن سفیان الفسوی (م ۲۷۷ھ/ ۸۹۰ء) کی ہے، جس کا نامکمل نسخہ دستیاب ہے۔ ان کے دو معاصرین احمد بن شعیب النسائی (م ۳۰۳ھ/ ۱۶۔ ۹۱۵ء) اور ابو یعلی الموصلی (م ۳۰۷ھ/ ۹۱۹ء) کی وفیات پر تصنیف شدہ کتابیں بدقسمتی سے ضائع ہو چکی ہیں۔ ابو القاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز البغوی (۲۱۳۔ ۳۱۷/ ۸۲۸۔ ۹۲۹ء) کی وفیات الشیوخ اپنے موضوع پر دستیاب پہلی مکمل کتاب ہے۔ (مطبوعہ علی گڑھ، ۱۹۸۲ء) اسی نام سے ایک اور تصنیف ابو اسحاق ابراہیم بن میمون بن احمد انصاری کی بھی تھی، جس کے حوالے وفیات الاعیان میں ملتے ہیں، لیکن اب یہ کتاب موجود نہیں ہے۔ ابی سلیمان محمد بن عبداللہ بن زبر الربعی (م ۳۷۹ھ/ ۹۸۹ء) کی تاریخ مولد العلماء ووفاتہم میں ابتدائے ہجرتِ نبوی سے لے کر ۳۳۸ھ/ ۹۵۰۔ ۹۴۹ء تک وفیات شامل ہیں۔ اس کی تکمیل ابوعبد محمد عبدالعزیز بن احمد الکتانی الحافظ (م ۴۶۶ھ/ ۱۰۷۴ء) نے کی۔ الکتانی کی کتاب پر ابو محمد ہبۃ اللہ ابن احمد الاکفانی الحافظ (م ۵۲۴ھ/ ۱۱۳۰ء) نے ذیل لکھا اور وفیات ۴۸۵ھ/ ۱۰۹۲ء تک لے آئے۔ تاریخ مولد العلماء ووفاتہم کی جو اشاعت (بہ تحقیق محمد المصری، منشورات مرکز المخطوطات والتراث والوثائق، کویت، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء، ۴۹۹ صفحات) ہمارے پیش نظر ہے، اس میں الکتانی اور الاکفانی کے اضافات بھی شامل کیے گئے ہیں۔ الاکفانی کی کتاب پر حافظ ابوالحسن علی بن مفضل المقدسی نے ذیل لکھا اور ۵۸۱ھ/ ۱۱۸۵ء تک وفیات کا ذکر کیا۔ ابن مفضل کی کتاب پر ذکی الدین ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری (م ۶۵۶ھ/ ۱۲۵۸ھ) نے تین جلدوں میں ذیل تحریر کیا اور اس کا نام التکملۃ لوفات النقلۃ رکھا۔ منذری کے شاگرد عزالدین ابوالعباس احمد بن محمد بن عبدالرحمان الشریف الحسینی حلبی مصری نے ۶۷۴ھ/ ۷۶۔ ۱۲۷۵ء تک وفیات کا اضافہ کیا۔ شریف الحسینی کی کتاب پر شہاب الدین ابوالحسین احمد ابن ایبک دمیاطی نے واقعۂ طاعون ۷۴۹ھ/ ۱۳۴۸ء تک وفیات کا ذیل لکھا اور اس پر حافظ زین الدین عبدالرحیم عراقی (م ۸۰۵ یا ۸۰۶ھ/ ۱۴۰۳ء یا ۱۴۰۴ء) اپنی وفات تک وفیات کا اضافہ کرتے رہے۔ بعد کے یہ تمام ذیول اصل کتاب سے کہیں زیادہ مفصل ہیں اور تمام کے تمام سنین وار مرتب ہوئے ہیں۔ وفیات پر ایک اور قدیم کتاب حافظ ابو اسحاق ابراہیم بن سعید بن عبداللہ (م ۴۸۴ھ/ ۱۰۹۱ء) کی وفیات المصریین ہے، جس میں ۳۷۵ھ تا ۴۵۶ھ/ ۹۸۵ء تا ۱۰۶۵ء وفات یافتگان کا تذکرہ ہے۔ عماد الدین اسماعیل

بن محمد المعروف بہ ابن بردیس (م ۷۸۶ھ / ۱۳۸۴ء) کی الاعلام فی وفیات الاعلام کا مخطوطہ ذخیرۂ ایاصوفیہ، کتب خانۂ سلیمانیہ، استنبول، (شمارہ ۲۹۶۱، ۴۷ ورق) میں موجود ہے۔ محمد بن عبداللہ یمنی (م ۹۴۷ھ / ۱۵۴۰ء) کی قلادۃ النبر فی وفیات اعیان الدھر کا قلمی نسخہ ذخیرہ Yeni Cami اینی جامع (یعنی نئی مسجد)، کتب خانۂ سلیمانیہ استنبول، (شمارہ ۸۸۳، ۶۰۶ ورق) میں موجود ہے۔ ابوالفضائل رضی الدین حسن بن محمد بن حسن صغانی/ صاغانی (۵۷۷۔ ۶۵۰ھ / ۱۱۸۱۔ ۱۲۵۲ء) کی درالسحابۃ فی بیان مواضع وفیات الصحابہ، (مخطوطہ استنبول، کوپرلو لائبریری، فاضل احمد پاشا سیکشن، شمارہ ۱۰۸۰، ورق ۲۴۴۔ ۲۵۴ طبع مکتبہ القرآن، قاہرہ، ۱۹۹۲ء) صحابہ کرام کی وفیات پر ہے۔ انہی کی ایک تصنیف مختصر الوفیات بھی ہے۔

وفیات کے موضوع پر اب تک لکھی جانے والی کتابوں میں سے سب سے زیادہ متاثر کن، معتبر اور بے نظیر کتاب وفیات الاعیان وانباء الزمان ہے، جسے ابوالعباس شمس الدین احمد المعروف "ابن خلکان" (۱۱ ربیع الاخر ۶۰۸۔ ۲۶ رجب ۶۸۱ھ / ۲۲ ستمبر ۱۲۱۱۔ ۳۰ اکتوبر ۱۲۸۲ء) نے ۶۵۴۔ ۶۷۲ھ / ۱۲۵۶۔ ۱۲۷۳ء میں قاہرہ میں تصنیف کیا۔ اس میں مختلف طبقات الناس: علماء، شعراء، امراء اور وزراء کے حالات جمع ہوئے ہیں، جن میں سے اکثر کے ساتھ مصنف کے دوستانہ مراسم تھے۔ وفیات الاعیان کی مقبولیت اور سند کا عالم یہ ہے کہ اب تک اس پر کئی تکملے لکھے جا چکے ہیں اور ترجمے ہو چکے ہیں۔ اس کتاب کے ہر ذیل پر مزید ذیول تصنیف ہوئے ہیں۔ عربی ادب کی روایت میں ان ذیول کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ چند ایک ذیول کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے:

(۱) از تاج الدین عبدالباقی بن عبدالمجید مخزومی مکی (م ۷۴۳ھ / ۴۳۔ ۱۳۴۲ء)، ۳۰ر وفیات کا اضافہ کیا اور ابن خلکان کی کتاب کی کانٹ چھانٹ بھی کی۔

(۲) از ابوالحسن احمد بن ایبک (م ۷۴۹ھ / ۱۳۴۸ء)

(۳) فوات الوفیات از محمد بن شاکر بن احمد الکتبی (م ۷۶۴ھ / ۱۳۶۳ء)

(۴) عقود الجمان از شیخ بدرالدین زرکشی (م ۷۹۴ھ / ۱۳۹۲ء)

(۵) از شیخ زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی (م ۸۰۶ھ / ۴۔ ۱۴۰۳ء) ۳۰ر وفیات کا اضافہ کیا۔

(۶) ذیل وفیات الاعیان از ابن القاضی ابوالعباس ابن ابوالعافیہ احمد بن محمد (م ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء) مطبوعہ دارالتراث، قاہرہ، ۱۹۷۲ء)

(۷) از فضل اللہ ابن ابی الخیر المعروف ابن صفاعی۔

وفیات الاعیان کی کچھ تلخیصات بھی ہوئی ہیں، چند ایک کے نام یہ ہیں:

(۱) جنان از شمس الدین محمد بن احمد ترکمانی (م: بعد از ۷۵۰ھ / ۱۳۴۹ء)

(۲) از ملک الافضل عباس بن ملک مجاہد علی صاحب الیمن (م ۷۷۸ھ / ۱۳۷۶ء)

(۳) از شہاب الدین احمد بن عبداللہ غزی شافعی (م ۸۲۲ھ/۱۴۱۹ء)

(۴) معانی اھل البیان من وفیات ابن خلکان از شیخ بدرالدین حسن بن عمر بن حبیب حلبی (م ۷۷۹ھ/۱۳۷۷ء)، ۲۳۷ وفیات کا ذکر کیا ہے۔

(۵) التجرید بعون الرب المجید از وحدی ابراہیم بن مصطفیٰ بن محمد فرضی (م ۱۱۲۶ھ/ ۱۷۱۴ء)، یہ تلخیص ۱۱۰۴ھ/ ۹۳۔ ۱۶۹۲ء میں تیار ہوئی۔

وفیات الاعیان کے دستیاب فارسی تراجم میں قدیم ترین ترجمہ منظر انسان ہے، جو یوسف بن احمد بن محمد بن عثمان بن علی احمد الشجاع سجزی نے ۸۹۵۔ ۸۸۹ھ/ ۱۴۹۰۔ ۱۴۸۴ء میں ابوالفتح سلطان محمد شاہ اول فرمان روائے گجرات کے حکم پر کیا (مخطوطہ ذخیرۂ حافظ محمود شیرانی، پنجاب یونی ورسٹی لائبریری لاہور، شمارہ ۱۹۹۳/ ۵۰۰۳، اشاعت، بہ تصحیح وتعلیق دکتر فاطمہ مدرسی، دانشگاہ ارومیہ، ایران، ۱۳۸۱ شمسی/ ۲۰۰۲ء، ۳ جلدیں، اس کے سرورق پر مترجم کا نام یوسف بن احمد کی بجائے احمد بن محمد .....الخ چھپا ہے)۔ دوسرا ترجمہ قاضی زادہ ظہیر الدین عبدالکبیر (یا: کبیر) بن اویس اردبیلی (م ۹۳۰ھ/ ۱۵۲۴ء) نے کیا (مخطوطہ کتاب خانۂ مجلس شوریٰ اسلامی، تہران، شمارہ ۵۳۸)۔ تیسرا ترجمہ محمد حسن جابری انصاری (م ۱۳۳۵ شمسی) نے کیا (مخطوطہ کتاب خانۂ عمومی اصفہان)۔

وفیات الاعیان کے ترکی تراجم بھی ہوئے۔ چند ایک یہ ہیں:

درملی (یا: درموی) حسن حیدر (سنہ وفات نامعلوم) نے وفیات الاعیان ترجمہ سی کے نام سے ترجمہ کیا۔ اس کا مخطوطہ ذخیرۂ حاجی محمود افندی، کتب خانۂ سلیمانیہ، استنبول (نمبر ۴۸۸۲، ۱۳۲ ورق) میں موجود ہے۔

رودوسی زادہ محمد افندی (م ۱۱۱۳ھ، دیکھیے: عثمانی مولفلری، استنبول، ۱۳۳۳ھ، ج: ۱، ص: ۳۱۵)، یہ ترجمہ استنبول سے ۱۲۸۰ھ/ ۶۴/ ۱۲۶۳ء میں ترجمۂ وفیات الاعیان کے نام سے چھپ چکا ہے۔

ایک ترکی ترجمہ وکیل زادہ یوسف کا بھی ہے، لیکن اس کے بارے میں فی الحال مزید معلومات نہیں مل سکیں۔

ہمارے ایک معاصر مولانا سلیم اختر المعروف اختر فتح پوری (فتح پور، ضلع گجرات، پنجاب) نے وفیات الاعیان کا اردو ترجمہ کیا ہے (مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی، لاہور، ۲۰۰۰ء، چار جلدیں)۔

ابن خلکان کی وفیات الاعیان کے بعد بھی وفیات نویسی پر کام جاری رہا۔ ان ذیول کے علاوہ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، چند مزید کتابوں کے نام یہ ہیں:

تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام از شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (م ۷۴۸ھ/ ۱۳۴۷ء)

وفیات الاعیان من مذہب ابی حنیفۃ النعمان از قاضی نجم الدین ابراہیم بن علی الطرطوسی (م ۷۵۸ھ/ ۱۳۵۷ء)

وفیات العلماء از تقی الدین ابراہیم بن علی بن الحسن بن محمد بن صالح بن اسماعیل عاملی کفعمی (م ۹۰۵ھ/ ۱۵۰۰ء)

وفیات العلماء ومدد أعمارھم از میرزا فخرالدین خراسانی (تقریباً ۱۰۹۷ھ/ ۱۶۸۶ء)

تاریخ وفیات العلماء الامامیۃ از میرزا محمد بن عبدالنبی نیشاپوری اخباری (م ۱۲۳۲ھ/ ۱۸۱۷ء)

وفیات الائمہ از میرزا احسن بن علی موسوی قزوینی نجفی (۱۳۱۹۔ ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۰۱۔ ۱۹۳۹ء)

تاریخ وفیات الشیعہ از سید علی نقی بن سید ابی الحسین نقوی لکھنوی (پیدائش ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء)، رسالہ الہدی العماریہ کے دوسرے سال اور اس کے بعد کے شماروں میں قسط وار شائع ہوئی۔

وفیات الرجال یا حوادث السنین از شیخ علی خاقانی نجفی مدیر مجلہ ''البیان''، تمام صدیوں کے سنی اور شیعہ اعلام کی سال بہ سال وفیات ہیں۔

وفیات اعلام الحق از شیخ شریف بن عبدالحسین بن محمد حسن مصنف الجواہر، مطبوعہ ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء، اس میں صرف چودہ معصوموں کی تاریخیں ہیں۔

وفیات الاعیان از ابن زملکانی محمد بن علی بن عبدالواحد، ابتدائے ہجرت سے لے کر ۷۰۰ھ/ ۱۳۰۱ء تک سنین کے اعتبار سے صحابہ، سلاطین، امراء وغیرہ کا تذکرہ ہے۔

وفیات الاعلام من الشیعۃ الکرام از سید صدرالدین ابی محمد حسن عاملی اصفہانی کاظمی، تمام چودہ صدیوں کی وفیات پر صدی بہ صدی کام کرنے کا ارادہ کیا، لیکن صرف پہلی صدی پر ایک مختصر کام کر سکے۔

وفیات الفضلاء از سید شہاب الدین بن محمود مرعشی نجفی (۱۳۱۵۔ ۱۴۱۱ھ/ ۱۸۹۷۔ ۱۹۹۰ء)

وفیات الاعیان، مصنف نامعلوم، اس میں شہید ثانی اور بحرین کے شیعہ علما کے حالات ہیں۔

وفیات المعصومین از رضا بن ابی القاسم طبیب استرآبادی۔

وفیات پر عربی میں کچھ اور کتابیں بھی لکھی گئیں، جیسے الحوادث الجامعۃ والدرر الکامنۃ المنہل الصافی، درالعقود، نثر الہمیان، وفیات ابن قانع، وفیات الشیخ تقی الدین ۱۰۰۰ ابن رافع جس کا ذیل شہاب الدین احمد بن حجی بن موسی حبانی دمشقی (م ۸۱۶ھ/ ۱۴۱۳ء) نے لکھا، وفیات جہضمی وفیات الاعیان ابن قنفذ احمد بن حسن قسطمینی وغیرہ۔ الاعلام خیرالدین زرکلی معجم المؤلفین عمر رضا کحالہ اگرچہ رجال کی قوامیس ہیں، لیکن ان میں نمایاں طور تواریخ ولادت ووفات بھی دی گئی ہے۔

فارسی کتب :

فارسی زبان میں وفیات پر دو نوع کی کتابیں ہیں، ایک وہ جو تاریخ عالم کے واقعات پر سنین وار لکھی گئی ہیں اور ان میں ضمناً وفیات بھی درج ہوئی ہیں۔ دوسری خاص وفیات پر کتابیں ہیں۔ دو نوعیت کی کتب کا ایک مشترک جائزہ پیش خدمت ہے:

وفیات الاعیان ابن خلکان کے دو فارسی ترجموں کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، اس کے علاوہ یہ کتابیں قابل ذکر ہیں:

(۱) مجمل فصیحی از فصیحی خوافی (پ ۷۷۷ھ/ ۱۳۷۵ء)، اگرچہ یہ ایک عمومی تاریخ ہے جو حضرت آدم سے شروع ہو کر ۸۴۵ھ/ ۱۴۴۱ء تک کے واقعات پر سنین وار مرتب ہوئی ہے، اس میں وفیات بھی شامل ہیں۔۔۔ (طبع بہ اہتمام محمود فرخ، تہران)

(۲) مصطفیٰ بن عبداللہ چلپی معروف بہ حاجی خلیفہ (۱۰۱۷۔ ۱۰۶۷ھ/ ۱۶۰۸۔ ۱۶۵۷ء) کی تقویم التواریخ جس میں ابتدائے تخلیق عالم سے ۱۰۵۸ھ/ ۱۶۴۸ء تک کے واقعات سال بہ سال درج ہوئے ہیں۔ اس میں وفیات بھی شامل ہیں۔ مصنف نے اس کتاب کا مقدمہ اور ضمیمہ ترکی میں لکھا ہے (طبع استنبول، ۱۱۴۶ھ/ ۱۷۳۳ء)۔ یہ کتاب متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ ایک فارسی ترجمہ جس کا مترجم نامعلوم ہے، ۱۰۷۵ھ میں ہوا (طبع بہ اہتمام میر ہاشم محدث، تہران، طبع اول ۱۹۹۷ء، طبع دوم ۲۰۰۵ء)۔

(۳) وفیات پُر عبر لاولی الالباب من اعتبر از محمد امین بن شیخ محمد ابراہیم اسکوبی المعروف امینی (م ۱۰۹۱ھ/ ۱۶۸۰ء)

(۴) مفتاح العارفین از میر عبدالفتاح بن میر محمد نعمان بدخشی، (تصنیف تقریباً ۱۰۹۲ھ/ ۱۶۸۱ء)، سنین وفات کے اعتبار سے صوفیہ کا مختصر تذکرہ ہے۔ قلمی نسخہ ذخیرۂ شیرانی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، شمارہ ۱۶۱۳/ ۴۶۶۳۔

(۵) سید امیر عبدالحسین بن امیر محمد باقر حسینی خواتون آبادی (۱۰۳۸۔ ۱۱۰۵ھ/ ۱۶۲۹۔ ۱۶۹۴ء) کی وقایع السنین والایام یا گزارش حوادث تاریخی (مطبوعہ تہران، ۱۹۷۲ء) اور وقایع السنین والاعوام یا گزارش ہائے سالیانہ از ابتدائے خلقت تا حال (مطبوعہ تہران، ۱۹۷۳ء) ان میں واقعات وحوادث کے علاوہ علماء کی تواریخ وفات بھی درج کی ہیں۔

(۶) تاریخ محمدی از محمد بن رستم بن کیقباد حارثی بدخشی (پیدائش ۱۰۹۸ھ/ ۱۶۸۷ء، وفات ۱۱۶۱ھ؟/ ۱۷۴۷ء؟) مصنف نے سنین کی ترتیب سے عالم اسلام بالخصوص برصغیر کے سیاسی، ادبی اور مذہبی متوفیان کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کا جو قلمی نسخہ کتاب خانۂ رضا رام پور میں دستیاب ہے، وہ سال ۶۰۶ھ/ ۱۲۰۹ء کی وفیات سے شروع ہو کر ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۷ء کی وفیات پر ختم ہوتا ہے۔ اس کتاب کے یہ حصے اب تک طبع ہو چکے ہیں۔ جلد ۲، حصہ ۴، وفیات از سال ۹۰۰ تا ۹۹۹ھ، بہ اہتمام نثار احمد فاروقی، رام پور، ۲۰۰۳ء، جلد ۲، حصہ ۵، وفیات از ۱۰۰۰ تا ۱۱۰۰ھ، بہ اہتمام نثار احمد فاروقی، رام پور، ۲۰۰۳ء، وفیات از سال ۱۱۰۱ تا ۱۱۶۱ھ، بہ اہتمام مولانا امتیاز علی خان عرشی، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، ۱۹۶۰ء، وفیات از سال ۱۱۶۲ تا ۱۲۰۸ھ، بہ اہتمام نثار احمد فاروقی، رام پور ۱۹۹۶ء۔ یقیناً یہ حصہ یا اس کے چند اجزاء حارثی کی وفات کے بعد اضافہ کیے گئے ہیں۔

رضا قلی خان ہدایت طہرانی (م ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۴۷ء) کی فہرست التواریخ جو سنین وار مرتب ہوئی ہے (طبع بہ تصحیح عبدالحسین نوایی و میر ہاشم محدث، طبع تہران، ۱۳۷۳ شمسی)۔

(۷) وفیات الاولیاء از سیف الدین غلام محی الدین محمد ہاشم الوری، سال تصنیف ۱۱۴۱ھ/ ۲۹۔ ۱۷۲۸ء، مصنف دیباچے میں تحریر کرتے ہیں کہ انہوں نے بعض ہندوستانی مشایخ کے سنین ولادت و وفات، مولد و مدفن اور جن مشایخ سے انہیں ارادت تھی یا وہ جن سے خلافت یافتہ تھے، اس کا مختصر احوال مختلف کتب سے انتخاب کیا ہے۔ یہ کتاب تیمّن کے طور پر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے نام سے شروع ہوتی ہے اور پنجاب یونی ورسٹی لائبریری لاہور کا قلمی نسخہ (Pfl 7/2881) آخر سے ناقص ہونے کی وجہ سے شیخ پیر محمد لکھنوی کے نام پر ختم ہو جاتا ہے۔

(۸) وفیات الاعلام از محمد یحییٰ ملقب بہ شاہ خوب اللہ الہ آبادی (م ۱۱۴۴ھ/ ۱۷۳۱ء) جنہوں نے مولانا جامی کی نفحات الانس کی طرز پر یہ تذکرہ لکھا ہے۔

(۹) وفیات، مصنف نامعلوم، ابتدائے عالم بوقت طوفان نوح سے لے کر ۱۱۶۵ھ/ ۱۷۵۲ء تک واقعات عالم اور وفیات ہیں۔ مخطوطہ مغنیسا پبلک کتب خانہ ترکی، کاتب: مصطفیٰ سمیع، تاریخ کتابت ندارد، ۵۵ ورق۔ شمارہ: 45 Hk 5079۔

(۱۰) تاریخ ولادت و وفات از میرزا عبدالرزاق خان سرتیپ بن میرزا محسن بن ملا کرم علی بغایری اصفہانی طہرانی (پیدائش ۱۲۸۶ھ۔ ۱۸۶۹ء)، اس میں صدر اسلام سے لے کر مصنف کی حیات تک علماء و سلاطین وغیرہ کی ولادت اور وفات کی تاریخیں دی ہیں۔

(۱۱) وفات نامہ (منظوم)، ڈھاکہ کے بزرگوں کی وفات کی تاریخیں ہیں، مخطوطہ ڈھاکہ یونی ورسٹی، ذخیرۂ حکیم حبیب الرحمان شمارہ: HR.29-41 میں موجود ہے۔ انہی حکیم حبیب الرحمن (م یکم ربیع الآخر ۱۳۶۶ھ۔ ۲۳ فروری ۱۹۴۷ء) نے ڈھاکہ اور مضافات ڈھاکہ کے قبرستانوں میں مدفون مسلمان بزرگوں کا تذکرہ آسودگانِ ڈھاکہ (مطبوعہ ڈھاکہ، اکتوبر ۱۹۴۶ء) بھی لکھا تھا۔

(۱۲) مستند اسامی مشاہیر و مؤلفان، مرتبہ و شائع کردہ کتاب خانۂ ملی ایران، تہران، ایران کے قومی کتب خانے کی طرف سے مرتب اور شائع ہونے والی یہ کتاب دراصل کتب خانوں میں فہرست نویسی کی معیار بندی کے لیے ہے اور اس کتاب میں فارسی کتب کے مصنفین کے صحیح اسماء اور تواریخ درج کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

(۱۳) ایران کے معاصر محقق میرزا محمد خان قزوینی (م ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۹ء) کی کتاب وفیات معاصرین کا مسودہ دو جلدوں میں تہران یونی ورسٹی لائبریری (شمارہ ۴۹۷۵؛ ۵۴۰۱) میں محفوظ ہے۔ انہوں نے یہ یادداشتیں جو ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ/ اپریل ۱۹۳۰ء کی وفیات سے شروع ہوتی ہیں، مرحوم عباس اقبال کی ادارت میں شائع ہونے والے، رسالے یادگار (تہران) میں چھپوانا شروع کیں، یہ سلسلہ قزوینی کی وفات تک جاری رہا۔ ایرج افشار نے شائع شدہ وفیات اور مسودے کو سامنے رکھ کر انہیں از سرِ نو مرتب کیا اور یادداشتہائے قزوینی (انتشارات علمی، تہران، تیسرا اڈیشن، بلا تاریخ) کی جلد ہشتم کے صفحات ۱۴۴۔ ۲۶۸ میں دوبارہ شائع کیا۔

(۱۴) معاصر ایرانی محقق ومورخ ایرج افشار اور محمود نیکوئی نے ایران اور ایران سے باہر فارسی زبان وادب اور ایرانی مطالعات میں نامور معاصرین کی وفیات ۱۳۰۴ تا ۱۳۸۱ شمسی/ ۱۹۲۵ تا ۲۰۰۲ء پر تعزیتی شذرات کتاب نادرہ کاران (نشر قطرہ، تہران، ۱۳۸۳ شمسی (۲۰۰۴ء) میں جمع کر دیے ہیں۔اس میں چند ایک پاکستانی اور ہندوستانی وفیات کا تذکرہ بھی ہوا ہے۔

(۱۵) ایک اور ایرانی معاصر فاضل ڈاکٹر احمد مہدوی دامغانی کے فارسی مقالات کے مجموعے حاصل اوقات، مرتبہ سید علی محمد سجادی، طبع تہران، ۱۳۸۱ شمسی (۲۰۰۲ء)، صفحات ۸۸۵۔۹۲۶ میں گذشتہ نصف صدی میں ایرانی مشاہیر کی وفیات درج ہوئی ہیں۔

فارسی میں چند اور چھوٹی چھوٹی کتابیں بھی موجود ہیں، جیسے تاریخ وفات حضرت محمد مصطفیٰ و دیگر بزرگان از محمد ناصح غازی پوری (مخطوطہ کرزن کلکشن، ایشیاٹک سوسائٹی، کولکتہ)، تاریخ ولادت و وفات اکابر اسلام مصنف نامعلوم (مخطوطہ کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن، مکتوبہ ۱۲۲۵ھ)

ترکی کتب :

حسیب اسکوداری (م ۱۲۰۰ھ) نے وفیات اکابر اسلامیہ لکھی۔اس کا قلمی نسخہ استنبول کے سلیمانیہ کتب خانہ، ذخیرہ Yazma Bagislar (شمارہ ۳۹۱۰، ۶ اورق) میں موجود ہے۔

اردو کتب :

اردو ادب میں تاریخ، تذکرہ، قطعات تاریخ اور الواح قبور/کتبات قبور پر کتب کے علاوہ ایک اور صنف بھی وفیات سے متعلق موجود ہے اور وہ اپنے دوستوں اور معاصرین کی یاد میں لکھے جانے والے یادنامے ہیں، جیسے علامہ سید سلیمان ندوی (۱۸۸۴۔۱۹۵۳ء) کی کتاب یادرفتگان جو ایسے وفات یافتگان کا تذکرہ ہے، جن کے تعزیتی شذرے سید صاحب نے ماہ نامہ معارف، اعظم گڑھ میں ۱۹۱۴ء تا ۱۹۵۳ء لکھے تھے۔تاہم ذیل کی سطور میں خالصتاً وفیات کے حوالے سے چند اردو کتابوں کا ذکر ہوگا۔

پاکستان میں وفیات اور اس سے متعلقہ موضوعات پر پروفیسر محمد اسلم (۲۸ نومبر ۱۹۳۲۔ ۱۶/اکتوبر ۱۹۹۸ء) استاد شعبۂ تاریخ جامعہ پنجاب لاہور کی چار کتب طبع ہو چکی ہیں:

(۱) وفیات مشاہیر پاکستان، ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء تا ۱۴/اگست ۱۹۸۷ء وفات پانے والی پاکستانی شخصیات شائع کردہ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۹۰ء، مصنف نے اس میں حروف تہجی کے اعتبار سے افراد کا ذکر کیا ہے اور ہر اندراج کے تحت اس فرد کی خاص شہرت کا حوالہ تاریخ ولادت، مقام ولادت، تاریخِ وفات، جائے وفات اور اپنے ماخذ کا ذکر کیا ہے۔

(۲) وفیات اعیان پاکستان، پہلے دانش گاہ پنجاب لاہور کے مجلۂ تاریخ (۱۹۹۱ء) میں مفصل مقالے کی صورت میں شائع ہوئی۔ بعد ازاں اسی مقالے پر ناشر ندوۃ المصنفین لاہور کا سرورق لگا دیا گیا۔اس میں ۱۵/اگست ۱۹۸۷ء تا

۳۱/دسمبر ۱۹۹۰ء پاکستانی وفیات کا تذکرہ ہے، اس اعتبار سے اسے ان کی کتاب وفیات مشاہیر پاکستان کا ذیل کہنا چاہیے۔

(۳) خفتگان کراچی، شائع کردہ ادارۂ تحقیقات پاکستان دانش گاہ پنجاب، لاہور ۱۹۹۱ء، اس میں کراچی کے قبرستانوں میں مدفون لوگوں کا تذکرہ اور ان کی الواح قبور نقل ہوئی ہیں۔

(۴) خفتگان خاک لاہور شائع کردہ ادارۂ تحقیقات پاکستان دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۹۹۳ء اس میں لاہور کے قبرستانوں میں مدفون لوگوں کا تذکرہ اور ان کی الواح قبور نقل ہوئی ہیں۔

پروفیسر محمد اسلم وفیات پر اپنی کتابوں کے تکملے کے طور پر اپنی وفات تک ماہ نامہ تہذیب الاخلاق لاہور میں وفیات پر مضامین لکھتے رہے۔ چند شمارے حسب ذیل ہیں: اپریل ۱۹۹۷ء کے شمارے میں اپریل ۹۷ء کی ۱۷/وفیات؛ مئی ۱۹۹۷ء کے شمارے میں ۹۷ء کی ۱۰/وفیات؛ جولائی ۱۹۹۷ء کے شمارے میں جولائی ۹۷ء کی ۱۷/وفیات؛ اگست ۱۹۹۷ء کے شمارے میں اگست ۹۷ء کی ۱۲/وفیات؛ اکتوبر ۱۹۹۷ء کے شمارے میں اکتوبر ۹۷ء کی ۱۳/وفیات؛ نومبر ۱۹۹۷ء کے شمارے میں نومبر ۹۷ء کی ۱۰/وفیات؛ دسمبر ۱۹۹۷ء کے شمارے میں دسمبر ۹۷ء کی ۹/وفیات؛ جنوری ۱۹۹۸ء کے شمارے میں جنوری ۹۸ء کی ۱۶/وفیات، فروری ۱۹۹۸ء کے شمارے میں فروری ۹۸ء کی ۱۳/وفیات۔

زاہد حسین انجم نے پاکستان بک کے نام سے پاکستان کے حالات وواقعات کے نام سے جو سالانہ جائزے لاہور سے شائع کئے ہیں۔ ان میں ایک مستقل باب وفیات سے متعلق ہے۔ ایسے تین جائزے ۱۹۹۱ء، ۱۹۹۲ء اور ۱۹۹۳ء سے متعلق چھپ چکے ہیں۔ ۱۹۹۱ء کے جائزے میں وفیات حروف تہجی کے ترتیب سے درج ہوئی ہیں اور ہر ایک کا تفصیلی ذکر ہوا ہے۔ ۱۹۹۲ء اور ۱۹۹۳ء کے جائزوں میں وفیات کا اندراج تاریخ وار اور بے حد اختصار کے ساتھ ہوا ہے۔

ماہ نامہ الرشید، ساہی وال/ لاہور میں شائع ہونے والی وفیات عبدالرشید ارشد کی کتاب واردات ومشاہدات (شخصیات، تاثرات، وفیات)، مطبوعہ لاہور، ۲۰۰۱ء میں شامل ہوگئی ہیں۔

ماہ نامہ الحق، اکوڑہ خٹک میں مولانا سمیع الحق کے تعزیتی شذروں اور مشہور شخصیات کی وفیات کے کالموں کو حافظ محمد ابراہیم فانی نے مرتب کیا ہے اور ان پر حواشی اور تعلیقات لکھ کر کاروان آخرت کے نام سے موتمر المصنفین، اکوڑہ خٹک سے شائع کیا ہے۔

شہروں کے حوالے سے مدفونین کے تذکرے پر مبنی متعدد چھوٹی بڑی کتب اردو میں شائع ہوئی ہیں، یہاں ان سے صرفِ نظر کیا گیا ہے۔

ہندوستان میں بھی اور زبان میں خالصتہً وفیات کے حوالے سے چند معاصرین کی تصانیف ملتی ہیں۔ جیسے:

محمد احسن چشتی صابری نگرامی کی تصنیف وفیات الاخیار، جو مشاہیر اسلام کی وفیات سے متعلق ہے اور مصنف نے اسے تین جدولوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا جدول باعتبار اسماء ہے اور حروف تہجی کی ترتیب پر ہے۔ دوسرا جدول باعتبار تاریخ وفات

ہے۔ تیسرا جدول باعتبار اماکن ہے، یعنی کسی ایک شہر یا قریہ کے وفات یافتگان کے اسماء ایک ہی جگہ درج ہوئے ہیں۔ تینوں جدولیں اپنی اپنی جگہ مفید ہیں۔ اس کتاب کا پہلا اڈیشن مطبع شام اودھ، لکھنؤ سے ۱۳۲۰ھ میں نکلا تھا۔ اس میں یکم ہجری سے لے کر ۱۳۰۰ھ تک وفیات کا ذکر ہے۔ اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں جو سنّی دارالاشاعت علویہ رضویہ، فیصل آباد (بلا تاریخ) نے شائع کیا ہے، اس میں صفحات ۱۸۴ تا ۱۹۲ ضمیمہ کے طور پر ۱۳۰۱ھ تا ۱۳۹۹ھ وفیات کا اندراج بترتیب اسماء ہوا ہے۔ یہ ضمیمہ صوفی عبدالمجید قادری مہتپوری نے تیار کیا ہے۔

سید روشن علی زیدی الواسطی کی کتاب سید التاریخ اگرچہ وفیات سے براہ راست متعلق نہیں ہے، لیکن اس کا بیشتر حصہ مشاہیر کی تاریخ ہائے وفات اور مادہ ہائے تاریخ پر مبنی ہے۔ (طبع: سنگ میل، لاہور، ۱۹۷۴ء، سید صفدر حسین کے دیباچہ اور ضمیمہ کے ساتھ۔

مولانا عبدالماجد دریابادی (م ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء) نے معاصرین اور رشتہ داروں کی وفات پر جو تعزیتی شذرے لکھے، انہیں عبدالقوی دریابادی نے وفیات ماجدی یا نثری مرثیے کے نام سے مرتب کیا ہے، شائع کردہ: مجلس نشریات اسلام، کراچی، (۱۹۷۸ء)۔

(۱) مولانا امتیاز علی خان عرشی (م ۲۵/فروری ۱۹۸۱ء) نے ''دفتر وفیات'' کے نام سے تین رجسٹر تیار کر رکھے تھے۔ دو رجسٹر عربی اور فارسی کے مشاہیر کی وفیات کے لیے اور ایک رجسٹر رام پور کے مشاہیر اور رضا کتب خانہ کے ملازمین کی وفیات کے لیے مختص تھا۔ اس میں ۱۳۰۱ تا ۱۳۹۸ھ (۲۹/ستمبر ۱۸۸۴ تا ۲۲/نومبر ۱۹۷۸ء) کی وفیات درج ہیں۔ پہلے دونوں رجسٹر رضا کتب خانہ رام پور اور تیسرا رجسٹر ان کے ذاتی کتب خانے میں غیر مطبوعہ حالت میں موجود ہیں۔

(۲) ڈاکٹر ابوالنصر محمد خالدی (م نومبر ۱۹۸۵ء کی وفیات اعیان الہند (عہد وسطی کے سلاطین و امرا اور صوفیا و مشائخ کے مختصر حالات زندگی اور تاریخ ہائے وفات)، شائع کردہ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۴ء، ۴۸۸ ص، اس میں تقریباً ۱۲۰۰ء سے ۱۷۵۰ء تک کی وفیات ہیں جو بلحاظ حروف تہجی مرتب ہوئی ہیں۔

(۳) تذکرۂ ماہ و سال از مالک رام (م ۱۶/اپریل ۱۹۹۳ء)، شائع کردہ مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، نومبر ۱۹۹۱ء۔ مالک رام دیباچے میں لکھتے ہیں کہ اس تذکرے میں صرف ان اصحاب کا تذکرہ ہوا ہے، جو کسی نہ کسی حوالے سے اردو ادب یا اس کی تاریخ سے متعلق ہیں۔ یہ صرف مرحومین ہی کا تذکرہ نہیں ہے، بلکہ اس میں اردو کے چند زندہ ادیبوں اور شاعروں کی تواریخ ولادت بھی دی گئی ہیں۔ مصنف نے اسماء الرجال کی حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب قائم کی ہے اور ہر شخص کے نام کے تحت دستیاب صورت میں استاد کا نام، تاریخِ ولادت، مقامِ ولادت، تاریخ وفات، جائے وفات اور اپنے ماخذ کا ذکر کیا ہے۔ مصنف نے کہیں کہیں افراد کے مرض الموت یا وفات کی وجہ اور مادۂ تاریخ بھی لکھ دیا ہے اور بعد میں دستیاب ہونے والی

معلومات کو تکملہ کی صورت میں پیش کیا ہے۔ مالک رام نے پاکستان و ہند دونوں ممالک کے رجال کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کتاب نے نہ صرف اپنے موضوع کے اعتبار سے بلکہ اپنے مصنف کی وجہ سے بھی پاکستان و ہند میں خاص توجہ حاصل کی اور اس پر کئی تبصرے شائع ہوئے، جیسے:

(پروفیسر) محمد اسلم ''تذکرۂ ماہ وسال (مالک رام) ایک مطالعہ''، ماہ نامہ سیارہ، لاہور، اشاعت ۳۳، سال نامہ ۱۹۹۳ء

گیان چند ''مالک رام کا بے حد مفید و بے حد غلط تذکرۂ ماہ وسال''، ماہ نامہ شاعر، بمبئی، ''معاصر اردو ادب نمبر''، جلد ۱، سال ۹۸۔ ۱۹۹۷ء، صفحات ۱۰۲۲، ۱۰۴۲۔

(ڈاکٹر) حسین احمد ''تذکرۂ ماہ وسال: ایک جائزہ'' ماہ نامہ صریر، کراچی، ستمبر ۱۹۹۳ء، ص: ۳۱، ۴۱۔

اگر ان تینوں تبصروں کو یک جا کر دیا جائے تو مالک رام کی مہیا کردہ صحیح معلومات کی مقدار بہت تھوڑی رہ جائے گی۔

(۴) وفیات مشاہیر اردو (حصہ اول) از بشارت علی خان فروغ (پ ۳ر جنوری ۱۹۳۷ء)، رام پور ۲۰۰۰ء، اس میں صرف اردو کے شعرا، ادبا اور علما کی تاریخ ہائے وفات کا التزام رکھا گیا ہے، لیکن جہاں ممکن ہوا ہے تاریخ ولادت بھی تحقیق سے لکھی گئی ہے، نیز تصانیف کی تعداد بھی درج کی ہے اور شعرا کے لیے تلمذ کی نسبت کا ذکر بھی کیا ہے۔ حتی الامکان ان مقامات کا محل وقوع بھی بتا دیا گیا ہے، جن سے متعدد مشاہیر نے خود کو منسوب کیا ہے۔ مشاہیر کے نام اور مقام حروف تہجی سے دیئے گئے ہیں۔ اس کتاب پر ایک مختصر تبصرہ بھی شائع ہوا ہے۔ دیکھیے: شاہد اقبال، ''وفیات مشاہیر اردو: ایک جائزہ''، ماہ نامہ شاعر، بمبئی، اگست ۲۰۰۲ء، صفحات ۳۳۔ ۳۷۔

(۵) وفیات مشاہیر بہار ۱۹۴۷ء سے ۱۹۹۹ء تک کا اشاریہ از ڈاکٹر سید شاہد اقبال، نئی دہلی، ۲۰۰۱ء، اس میں ۱۹۴۷ء تا ۱۹۹۹ء ریاست بہار (ہندوستان) کی ۳۳۰ وفیات کا تذکرہ ہوا ہے (پاکستانی مرحومین کی تعداد ۵۲ ہے)۔ اس کی ترتیب میں متوفین کے اسماء کی ترتیب کی بجائے ان کی تاریخ وفات کا لحاظ رکھا گیا ہے اور آخر میں سہولت کے لیے اسماء کا اشاریہ دیا گیا ہے۔ مصنف نے ہر اندراج میں متوفی کا نام، اس کی شہرت، تاریخ پیدائش، مقام پیدائش، تاریخ وفات، جائے وفات، مدفن، مرقد، ماہ و تاریخ یا قطعہ تاریخ وفات درج کیا ہے۔ اس کتاب پر ''تعارف'' معروف محقق ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب نے لکھا ہے اور اس میں عربی، فارسی اور اردو میں وفیات کے موضوع پر لکھی جانے والی کتب کا مختصر جائزہ لیا ہے۔ شاہد اقبال صاحب کی یہ کاوش پہلے پہل ہفتہ وار ہماری زبان، دہلی ۲۲ر نومبر ۱۹۹۱ء۔ ۸ر مارچ ۱۹۹۲ء اور ۱ر مئی۔ ۸ر مئی ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی تھی۔

پاک و ہند کے اردو جرائد نے بھی وفیات نگاری کے سلسلے میں اہم خدمات انجام دی ہیں۔ الرشید، تہذیب الاخلاق میں شائع شدہ وفیات کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ معارف اعظم گڑھ میں چھپنے والی وفیات کو محمد سہیل شفیق نے اشاریہ معارف

اعظم گڑھ جولائی ۱۹۱۶ء تا جون ۲۰۰۵ء، مطبوعہ کراچی ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء، صفحات ۶۲۳ ـ ۶۳۷ میں حروف تہجی کے اعتبار سے یکجا کر دیا ہے۔ انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی کا ماہ نامہ قومی زبان کے صفحات گذشتہ کئی سال سے وفیات نویسی کے لیے مختص ہیں اور ہر سال ایک شمارے میں شمیم صبائی متھراوی کا مضمون ''گذشتہ سال جو اہم سے ہو گئے یہ لوگ'' مرحومین کی یاد میں شائع ہوتا ہے۔ قومی زبان کے اکتوبر و نومبر ۲۰۰۱ء کے دو شماروں میں محمد عالم مختار حق صاحب کا مضمون ''وفیات مشاہیر ۲۰۰۰ء'' شائع ہوا ہے، جس میں ۴۴۲ وفیات کا تذکرہ ہے۔ پروفیسر کاظمی ہری ہر پوری کا سلسلۂ مضامین ''وفیات مشاہیر ادب ہند و پاک'' ہفت روزہ ہماری زبان (نئی دہلی) میں چھپتا رہا ہے۔ اس کی پہلی قسط جو جنوری ۱۹۹۹ تا جولائی ۲۰۰۱ء وفیات سے متعلق تھی۔ ۲۲ـ ۲۸ ستمبر ۲۰۰۱ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ نیا دور (لکھنؤ) کے اودھ نمبر میں یو پی کے مدفونین اور وفیات کا تذکرہ ہوا ہے، مولانا منظور نعمانی نے الفرقان (لکھنؤ) کا وفیات نمبر نکالا تھا۔ دہلی سے شائع ہونے والے ماہ نامہ اردو بک ریویو میں پاک و ہند کی اہم علمی، سیاسی، مذہبی اور تہذیبی وفیات کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل رسائل بھی وفیات نویسی پر توجہ دیتے ہیں:

ہفت روزہ: الاعتصام (لاہور)، تنظیم اہل حدیث (لاہور)، خدام الدین (لاہور)، ہلال (راول پنڈی) ماہ نامہ: اخبار اردو (اسلام آباد)، التوحید و السنۃ (صوابی)، الحق (اکوڑہ خٹک)، العلم (کراچی)، اوراق (لاہور)، ترجمان القرآن (لاہور)، جہان رضا (لاہور)، سب رنگ (کراچی)، سیارہ (لاہور)، ضیاے حرم (لاہور)، فاران (کراچی)، فنون (لاہور)، فیض الاسلام (راول پنڈی)، کنزالایمان (لاہور)، لہراں (لاہور)، نقیب ختم نبوت (ملتان)، سہ ماہی اخبار تحقیق (اسلام آباد)، ادراک (گوپال پور، بہار)۔

وفیات کے لیے ہم نے روایتی مآخذ کتابوں، قبور کی الواح و کتبات، مادہ ہائے تاریخ اور قطعات تاریخ وغیرہ کا ذکر کیا ہے، یہ سب سنگی اور کاغذی دَور کی چیزیں ہیں۔ اس بدلتی دنیا میں اب برقی لہروں پر وفیات نگاری کا ذکر بھی خالی از دل چسپی نہ ہوگا جو مستقبل میں آہستہ آہستہ کاغذ کی جگہ لینے کے لیے تیار ہے۔ میرا اشارہ ویب سائٹوں پر تواریخ وفات لکھنے کی طرف ہے جسے ہم کمپیوٹر کی مدد سے پڑھ سکتے ہیں۔ معاصر ہندستانی نقاد شمس الرحمان فاروقی نے اردو کے مشاہیر کی وفات کی تاریخیں The Date List of Urdu Literary Figures کے عنوان سے اس ویب سائٹ پر رکھی ہیں:

http://www.columbia.edu/asp49/urduresources/datelist/index.html

پاکستان کے بعض قبرستانوں میں مدفونین کے کوائف بھی پہلی دفعہ آن لائن دیے گئے ہیں، جیسے اسلام آباد کے قبرستان کے لیے یہ ویب سائٹ تیار کی گئی ہے: islamabad.net/graveyard کراچی کے وادی حسین قبرستان کے مدفونین اس ویب سائٹ پر دیکھے جا سکتے ہیں: wadi-al-hussain.com

پاک و ہند میں کچھ اور افراد بھی وفیات یا سنین کے حوالے سے کام میں مصروف ہے اور مستقبل قریب میں ان کی تحقیقات بھی منظر عام پر آجائیں گی۔ مثلاً علی گڑھ میں ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب مشاہیر بہار (۱۹۰۱ء۔ ۱۹۵۰ء) پر کام کر رہے ہیں۔ کراچی میں سید معراج جامی وفیات نگاری میں مصروف ہیں۔ سلسلۂ نوشاہیہ کے رجال جن کا تذکرہ شریف التواریخ تصنیف سید شریف احمد شرافت نوشاہی (۱۹۰۷۔ ۱۹۸۳ء) میں ہوا ہے، ان کے سنین ولادت و وفات، مصنف کے خواہرزادہ سید شفیق الرحمان نوشاہی نے استخراج کیے ہیں۔

پاکستان میں اردو وفیات نویسی پر تازہ ترین تحقیق وفیات ناموران پاکستان تصنیف ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ (ایم بی بی ایس) ہے۔ مصنف پیشے کے اعتبار سے معالج ہیں، لیکن تہذیبی موضوعات سے خاص دل چسپی رکھتے ہیں بالخصوص وفات پا چکے لوگوں کی تاریخِ وفات کی تحقیق کرنا اور ان کی قبور کی الواح نقل کرنا اور ان کی روشنی میں ان لوگوں کا تذکرہ لکھنا ان کا موضوع تحقیق ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی آبائی جگہ لوراں ضلع گجرات (پنجاب) ہے۔ جب وہ وہاں مقیم تھے تو گجرات اور اس کے مضافات میں مدفون مشاہیر اور ان کی قبور کی الواح کا تذکرہ تصنیف کیا اور اسے خفتگان خاکِ گجرات کے نام سے شائع کیا (گجرات ۱۹۹۶ء) وہ کئی سالوں سے پاکستان کے ہر شعبۂ زندگی میں نامور افراد کی تاریخ وفات کی تحقیق میں مصروف تھے۔ اس سلسلے میں پہلے انہوں نے اپنے کچھ مقالات شائع کئے، جیسے ماہ نامہ اخبار اردو (اسلام آباد) کے شمارۂ فروری ۲۰۰۰ء میں ۱۹۹۹ء کی علمی و ادبی وفیات، ماہ نامہ المدثر (کھاریاں) کے شمارۂ مارچ ۲۰۰۰ء میں ''سال رفتہ کے رفتگان'' عنوان کے تحت ۱۹۹۹ء کی وفیات، اور کتابی سلسلہ عکاس (راول پنڈی) کے شمارۂ جنوری ۲۰۰۱ء میں ۲۰۰۰ء کی وفیات کا تذکرہ لکھا۔ اب انہوں نے اپنی ان تمام متفرق کاوشوں اور کوششوں کو تحقیقی اسلوب کے ساتھ ایک ضخیم کتاب میں یک جا کر دیا ہے، جسے وفیاتِ ناموران پاکستان (۱۴/اگست ۱۹۴۷ء سے ۳۱/دسمبر ۲۰۰۴ء تک وفات پانے والی اہم پاکستانی شخصیات کا مختصر تعارف اور مستند تاریخ وفات) کے نام سے وفاقی وزارت تعلیم، حکومت پاکستان کے ادارے اردو سائنس بورڈ، لاہور نے ۲۰۰۶ء میں ۹۵۵ صفحات میں تین کالمی شائع کیا ہے۔

وفیاتِ ناموران پاکستان میں ساٹھ سالہ دَورِ پاکستان یعنی ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء سے ۳۱/دسمبر ۲۰۰۴ء تک وفات پانے والے تقریباً دس ہزار اہلِ پاکستان کی تواریخ وفات دی گئی ہیں۔ کتاب کی ترتیب اسماء الرجال کی تہجی ترتیب پر رکھی گئی ہے اور یہی ترتیب قارئین کے لیے باسہولت بھی ہے۔ ڈاکٹر سلیچ کی یہ کتاب اردو میں اپنی پیش رو کتابوں سے جامع تر بھی ہے اور مختلف بھی۔ اس سے پہلے لکھی جانے والی کتابیں جن وفیات کا احاطہ کرتی ہیں، ان کا تعلق کسی مخصوص معاشرتی طبقے سے ہے اور مہیا کی جانے والی معلومات بھی محدود ہیں۔ جب کہ زیرِ نظر کتاب میں افراد کا دائرہ بے حد وسیع ہے۔ مصنف نے ہر فرد کی وجہ شہرت، تاریخ پیدائش، جائے پیدائش، تاریخ وفات، جائے وفات یا مدفن، تصانیف اور اعزازات کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے

یہ تمام معلومات جن ذرائع سے حاصل کی ہیں بہ طور حوالہ ان کا ذکر ہر اندراج میں مخفف کی صورت میں اور فہرستِ مآخذ (۳۳۲ کتب، ۴۴ رسائل، ۷ غیر مطبوعہ مقالات ومسودات) میں مکمل کوائف کے ساتھ کیا ہے۔ یہ معلومات صرف کتابی اور کاغذی ماخذ سے جمع نہیں ہوئی ہیں، بلکہ مصنف نے گورستانوں میں جا کر اور قبروں کے کتبے پڑھ کر، مرحومین کے لواحقین سے خط وکتابت کر کے اور معاصرین سے گفت وگو کے ذریعے بھی بہت کچھ اخذ کیا ہے۔ وفیات نگاری کا بنیادی مقصد وفات پانے والے کی صحیح، مکمل اور دقیق تاریخ وفات لکھنا ہے، باقی معلومات اضافی اور ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر تاریخ وفات ہی غلط ہوگی تو کتاب تصنیف کرنے کا اصل مقصد فوت ہو جائے گا۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان وہند کے معاصر وفیات نگار پروفیسر محمد اسلم اور مالک رام جو دیگر موضوعات میں تحقیق میں بھلے اچھی شہرت رکھتے ہوں، وفیات پر اپنی کتابوں میں صحیح تواریخ لکھنے کا اہتمام نہیں کر سکے (ان کتابوں کا محاکمہ خود ڈاکٹر سلیچ نے اپنے مقدمے میں کیا ہے)، جب کہ ڈاکٹر سلیچ نے صحیح تاریخ وفات لکھنے کو ترجیح اور اولیت دی ہے۔ اس کتاب کی یہی خوبی اسے آئندہ کئی برسوں تک حوالے کی کتاب بنائے رکھے گی۔ فاضل مصنف نے ہر فرد کے سلسلے میں جو دیگر کوائف مہیا کیے ہیں، وہ اس کتاب کی افادیت پر مستزاد ہیں۔

ڈاکٹر سلیچ کی ایک اور تصنیف وفیات اہل قلم پاکستان زیر طبع ہے۔ اس میں ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء سے ۳۱/دسمبر ۲۰۰۶ء تک کے درمیانی عرصے میں وفات پانے والے تقریباً چار ہزار پاکستانی اہل قلم کے کوائف اور تاریخ وفات درج ہوئے ہیں۔ مصنف نے شعراء، ادباء، ادبی کتب کے مترجمین اور ایسے علماء دین جو شاعر بھی تھے، کو اہل قلم میں شامل کیا ہے۔ خالص دینی موضوعات پر مرحوم مصنفین اس میں شامل نہیں ہیں۔

مآخذ :

آغا بزرگ طہرانی، الذریعہ الی التصانیف الشیعہ، بیروت، ج: ۳، ص: ۲۹۴۔ ۲۹۵؛ ج: ۲۵، ص: ۱۲۲۔ ۱۲۶

احمد منزوی، فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۰ء، ج: ۱۱، ص: ۷۹۳

احمد منزوی، فہرستوارۂ کتابہای فارسی، تہران، ۱۹۹۷ء، ج: ۳، صفحات: ۱۵۷۵؛ ۲۰۴۲؛ ۲۳۳۴

اسماعیل پاشا، ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون، اہتمام محمد شرف الدین یالتقایا، بیروت، ج: ۲، ص: ۷۱۳

بروکلمان، کارل (C.Brockelmann)، ''ابن خلکان''، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب لاہور، ۱۹۶۴ء، ج: ۱، ص: ۵۰۸۔ ۵۱۰

رحمان علی، تذکرۂ علماء ہند، اردو ترجمہ محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۶۱ء، ص: ۱۸۳

شاکر مصطفیٰ، التاریخ العربی والمورخین، بیروت، ۱۹۹۳ء، ج: ۴

صادق سجادی، ''ابن خلکان''، دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، تہران، ج: ۳، ص: ۴۵۹۔ ۶۲

خان بابا مشار، فہرست کتابہای چاپی فارسی، تہران، ۱۹۷۶ء، ج: ۵، ص: ۵۴۲۸

محمد عالم مختار حق، ''نگارشات پروفیسر محمد اسلم''، شش ماہی مخزن، لاہور، ج:۴، ش:۱، مسلسل شمارہ ۷، ۲۰۰۴ء، ص:۶۶۔ ۹۲
مختار الدین احمد، ''تعارف''، مشمولہ وفیات مشاہیر بہار ڈاکٹر سید شاہد اقبال، دہلی ۲۰۰۱ء
مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ و بکاتب چلبی، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، باہتمام محمد شرف الدین یالتقایا، بیروت، ج:۲، ص:۲۰۱۷ تا ۲۰۲۰

Abdulkerim Ozaydin."ibn hallikan", Islam Ansiklopedisi Istambul.1999, Vol.20. P.17-19

J.W. Fuck "Ibn Khallikan", The Encylopaedia of Islam (New Edition). Leiden. 1971, Vol.3, P.832-33

تذکر و تشکر :

میرا یہ مضمون پہلے وفیات ناموران پاکستان تصنیف ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ، مطبوعہ لاہور، ۲۰۰۶ء میں بطور مقدمہ شائع ہوا تھا۔ اب اس پر نظر ثانی کی گئی ہے اور اس میں بعض تسامحات کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اضافات بھی کیے گئے ہیں۔ میں اپنے فاضل دوست ڈاکٹر نجدت طوسون، مرمرا یونی ورسٹی، استنبول کا بے حد ممنون ہوں، جنہوں نے وفیات الاعیان کے ترکی تراجم کے بارے میں معلومات فراہم کیں اور کچھ دیگر مآخذ کی نشان دہی بھی کی۔ اس مضمون میں مندرج سنین وفات ہجری تقویم کے اعتبار سے معیاری ہیں۔ عیسوی تاریخوں کی مطابقت محض قارئین کی سہولت کے لیے ہے، اسے معیار نہیں بنایا گیا ہے۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

ضروری اعلان

مدت خریداری معلوم کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ کے نام و پتہ کے اوپر جہاں مثلاً 2730/08(Upto Dec. 2022) لکھا رہے، اس کا مطلب ہے کہ آپ کا خریداری نمبر 2730/08 ہے اور Upto Dec.2022 کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری دسمبر ۲۰۲۲ء میں ختم ہوگئی ہے، آپ کے ذمہ ۲۰۲۳ء کا زرتعاون باقی ہے۔

لہٰذا رقم بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر اور پورا پتہ لکھنا نہ بھولیں۔ جو حضرات چیک یا ڈرافٹ کی شکل میں رقم بھیجنا چاہیں — تو اس پر صرف "Darul Esha'at" تحریر کریں۔

A/c No. : 1271488319, A/c Name : DARUL ESHA'AT
IFSC Code : CBIN-0282779
Central Bank of India, Branch: Anisabad, Patna-800002 (Bihar)
Cell No. : +91-7250433562, 7903953313

— سرکولیشن منیجر

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شجاعت
غزوات کی روشنی میں

● ڈاکٹر سید محمد اقبال شاہ القادری ـــ اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ فارسی مولانا آزاد کالج، کولکاتا

امیر المومنین حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی شان اور مرتبہ بے حد بلند ہے۔ اپ بچپن ہی سے رسول خدا ﷺ کے ساتھ رہے، بلکہ آپ ﷺ ہی کی آغوش محبت میں پرورش پائی۔ آنحضرت ﷺ ان کے ساتھ بالکل فرزند کی طرح سلوک کرتے تھے۔ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ نے زندگی کے معاملات میں آنحضرت ﷺ سے تربیت پائی۔ ان میں سے ایک چیز جنگ بھی ہے۔ آپ صحابۂ کرام میں اعلیٰ درجہ کے فصیح و بلیغ اور اعلیٰ درجہ کے خطیب سمجھے جاتے تھے اور جو صحابہ شجاعت و بہادری میں سب سے فائق مانے جاتے تھے، ان میں بھی آپ کا مرتبہ بہت نمایاں تھا۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حیدر اور اسد بھی کہا جاتا ہے۔ شیر کو عربی میں اسد کہتے ہیں اور جو نہایت ہی دلیر ہوتا ہے، وہ حیدر کہلاتا ہے۔ چوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کفار کے مقابلے میں کمال درجے کی جرأت اور شجاعت ظاہر ہوتی رہی، اس لیے آپ حیدر کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ چنانچہ خیبر کی لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا نام حیدر فخریہ بیان فرمایا تھا۔(۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور بہادری کے واقعات اس قدر زیادہ ہیں کہ اگر تفصیل سے بیان کی جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ آپ سوائے غزوۂ تبوک کے باقی تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے اور راہِ خدا میں جہاد کیا۔

ذیل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت کے چند اہم واقعات بیان کئے جا رہے ہیں:

۲ھ میں بدر کی جنگ لڑی گئی، اس جنگ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ ۳۱۳/اصحاب تھے اور قریش تعداد میں ۱۰۰۰/تھے، جن میں بڑے بڑے جنگ آزما شہسوار بہادر لوگ تھے۔ اس وقت حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً بیس اکیس سال کی تھی۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو کفار کی طرف سے عتبہ، شیبہ اور ولید مقابلہ کے لیے نکلے۔ آنحضرت ﷺ نے

ان کے مقابلے کے لیے انصار سے تین جوانوں کو منتخب فرمایا۔ یہ لوگ جب میدان جنگ میں آئے تو کفار بلند آواز سے کہنے لگے: اے محمد ﷺ! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں۔ تب آنحضرت ﷺ نے انصار کو واپس بلالیا اور حضرت حمزہ، حضرت علی، اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔ جب یہ لوگ مقابلے کو نکلے تو کفار نے نام پوچھے ان کے بتانے پر ان لوگوں نے کہا: ہاں! تم ہمارے جوڑ کے ہو۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا عتبہ سے مقابلہ ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ ولید کے ساتھ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ شیبہ سے ہوا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ہی وار میں اپنے مدمقابل کی گردنیں اڑا دیں۔ حضرت عبیدہ اور عتبہ کے درمیان گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی اور حضرت عبیدہ بہت ہی بہادری سے مقابلہ کر رہے تھے، لیکن ان کا فیصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور عتبہ کی گردن اڑا دی۔۔۔ (۲)

پھر باقاعدہ طور پر جنگ شروع ہوگئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چند کفار کو تنہا اور چند کو دیگر صحابہ کرام کے ساتھ مل کر قتل کیا۔ یہ اسلام میں پہلی لڑائی تھی، جس میں مومنین کی قلت اور کفار کی کثرت کی وجہ سے مسلمانوں کی حالت نازک تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ پہلا مقابلہ تھا، جس میں انہوں نے شجاعت کے جوہر دکھائے۔ اس غزوہ میں ستر کفار مقتول ہوئے، جس میں نصف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیے۔۔۔ (۳)

حافظ ابن عساکر نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر میں اپنی تلوار ذوالفقار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دی اور اس جنگ کے بعد ان کو ہمیشہ کے لیے بخش دی۔۔۔ (۴)

احد کی جنگ ۳ھ میں لڑی گئی۔ اس جنگ میں شیر خدا مولا علی رضی اللہ عنہ نے جس شجاعت کے ساتھ کفار کا مقابلہ کیا، وہ انہیں کا حصہ تھا۔ جو استقلال انہوں نے برتا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ جب لشکر اسلام اور کفار آمنے سامنے ہوئے تو ابوسعید بن ابوطلحہ لشکر کفار کے علمبردار نے میدان جنگ میں آکر اپنا مدمقابل طلب کیا، اس نے چند بار آواز دی جب کوئی نہ نکلا تو اس نے براہ تکبر ونخوت کہا: میں صف شکن ہوں، تم میں سے کون میرے مقابلے کے لیے آئے گا۔ وہ بہ آواز بلند کہنے لگا کہ تم یہ گمان کرتے ہو کہ تمہارے مقتول جنت میں جائیں گے اور لات وعزیٰ جہنم میں۔ اگر تم اس بات کو سچ سمجھتے ہو تو تم میں سے ضرور کوئی میرے مقابلے کے لیے آتا، یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ صف سے نکلے اور اس سے مقابلہ کیا اور چند لمحوں کے اندر ہی اس کو خاک اور خون میں تڑپا دیا۔ اس کے بعد دونوں فریق میں زبردست جنگ شروع ہوگئی، لشکر اسلام نے کفار کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ مسلمانان اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت اٹھانے میں مشغول ہو گئے، اس دوران کفار نے موقع کا فائدہ اٹھا کر پیچھے سے آکر حملہ کر دیا، جس سے مسلمانوں کو شدید جانی اور مالی نقصان ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس جنگ میں مجھے ۱۶ زخم لگے۔ ان میں سے چار زخم ایسے کاری پہنچے ہیں کہ ان کے صدمے سے میں زمین پر گر پڑتا تھا۔ مگر ہر مرتبہ ایک خوبصورت جوان جس سے بڑی خوشبو آتی تھی میرا بازو پکڑ کر مجھے کھڑا کر دیتا اور کہتا: جاؤ اللہ کی راہ میں لڑو۔ اللہ اور اس کے رسول تم سے راضی ہیں۔

لڑائی کے بعد آنحضرت ﷺ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا: وہ جبرئیل علیہ السلام تھے۔۔۔(۵)

ابن کثیر کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں موجود تھے، لشکر اسلام کا پرچم سنبھالے ہوئے تھے اور حضرت مصعب بن عمیر کی شہادت کے بعد علم آپ ہی نے اپنے ہاتھ میں لیا اور احد کے موقع پر سخت جنگ کی، لاتعداد مشرکوں کو ٹھکانے لگایا۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے بہتے ہوئے خون کو دھویا، کیوں کہ جب آپ پر دشمن نے وار کیا تو سر مبارک پر زخم آئے تھے اور آگے کے دو دندان مبارک شہید ہو گئے تھے۔۔۔(۶)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ احد میں مولا علی نے مشرکین کے نو علمبردار کو قتل کیا اور کفار کی جماعت کو بالکل منتشر کر دیا۔ حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تسلی دینی چاہیے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: انه منی وانا منه. یعنی وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا میں تم دونوں کا ہوں، پھر غیب سے ایک آواز آئی: لافتی الا علی لاسیف الا ذوالفقار. (کوئی جواں مرد نہیں بجز علی کے اور کوئی تلوار نہیں بجز ذوالفقار کے) اس واقعہ کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں درج کیا ہے۔۔۔(۷)

۵ ھ میں جنگ خندق ہوئی۔ اس جنگ کو جنگ احزاب بھی کہتے ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ کفار قریش اپنے تمام قبائل کے ساتھ جمع ہوئے ہیں، جن کا سردار ابوسفیان ہے اور یہ لوگ بنی نضیر کے یہودیوں کے ساتھ متفق ہو کر مدینہ کے محاصرہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر مدینہ کی حفاظت کے لیے شہر کے چاروں طرف خندق کھدوائی۔ یہ خندق مدینہ کے شمال ومغرب کے راستے پر تھی اور یہی دشمن کے مدینہ میں داخل ہونے کا راستہ تھا۔ اس میں مدافعت کے لیے کئی حصوں میں خندق کو تقسیم کر دیا گیا، ایک حصہ کے کمانڈر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ خندق مسلمانوں اور قریش کے درمیان حائل تھی۔ دشمن کی فوج ۱۰۰۰۰ تھی۔ کفار قریش جب مدینہ کی طرف بڑھے تو خندق کے قریب پہنچ کر ٹھہر گئے، اس نئی جنگی تدبیر کو دیکھ کر حیرت زدہ ہوئے۔ اس میں سے کچھ شہسوار خندق کے ایک تنگ کنارے پر پہنچے اور اپنے گھوڑوں کو اتار دیئے، پھر اچھل کر مدینہ کے اندر داخل ہو گئے۔ ان میں سے ایک عمرو بن عبدود نامی شخص تھا جو شجاعت میں ممتاز مانا جاتا تھا۔ اس کی شجاعت اور بہادری کا یہ عالم تھا کہ تنہا ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ یہ جنگ بدر میں غازیان اسلام کے ہاتھوں زخمی ہو کر بھاگا تھا اور اس نے منت مانی تھی کہ جب تک حضور ﷺ سے بدلہ نہ لے گا، وہ بدن پر تیل نہ لگائے گا۔ جنگ خندق میں وہ اپنی منت پوری کرنے آیا تھا۔ غرض کہ یہ میدان میں نہایت ہی شان وشوکت کے ساتھ نکلا اور اپنا مقابل طلب کیا۔ آنحضرت ﷺ اس کی بات سن کر فرمانے لگے کہ کوئی ایسا ہے جو اس کا مقابلہ کرے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ صف سے نکلے اور اس سے لڑنے کی اجازت چاہی۔ آنحضرت ﷺ خاموش رہے وہ برابر مقابلہ کے لیے للکارتا رہا۔ مولا علی نے پھر اجازت

چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ عمرو عبدود ہے۔ حضرت علی نے عرض کیا: ہاں! میں جانتا ہوں، تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور ان کی سلامتی کے لیے رب العالمین کے پاس دعا کی۔ شیر خدا حضرت علی اس کے روبرو ہوئے۔ آپ نے فرمایا: اے عمرو! کیا یہ تیرا قول ہے کہ اگر کوئی شخص تین باتوں کی درخواست کرے تو ایک ضرور قبول کرے گا۔ اس نے کہا ہاں! یہ میرا قول ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں، تو اسلام قبول کرلے، اس نے کہا: ایسا نہیں ہوسکتا، پھر فرمایا: لڑائی سے واپس چلا جا، اس نے کہا: میں قریش کی عورتوں کے طعنے نہیں سن سکتا۔ وہ کہیں گی کہ بہادر مرد ہو کر منت پوری کئے بغیر میدان جنگ سے واپس آگیا۔ فرمایا: پھر لڑائی کے لیے تیار ہو جا۔ وہ مسکرا کر بولا مجھے یہ امید نہ تھی کہ روئے زمین پر مجھ سے کوئی یہ بھی کہے گا کہ لڑائی کے لیے تیار ہو جا۔ چوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پیادہ تھے، اس لیے اس کی غیرت نے یہ گوارہ نہ کیا کہ سوار ہو کر مقابلہ کرے، وہ گھوڑے سے اتر گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے آپ سے سوال کیا تم کون ہو؟ آپ نے نام بتایا، اس نے کہا: تمہارے باپ میرے دوست تھے۔ ابھی تم کم سن نوجوان ہو، میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا، تم واپس چلے جاؤ۔ آپ نے فرمایا: لیکن میں تم سے لڑنا چاہتا ہوں، عمرو غصہ سے بے تاب تھا، اس نے اچانک آپ کے سر پر وار کر دیا، آپ نے اس وار کو سپر پر روک لیا، لیکن تلوار نے سپر کاٹ دیا اور پیشانی پر چوٹ لگی، جس سے ہلکا زخم آپ کی پیشانی پر آگیا۔ اس کے بعد شیر خدا نے ذوالفقار سے ایک ایسا بھرپور وار کیا، جس سے اس کا شانہ کٹ گیا اور تلوار نیچے گر گئی، گویا آپ نے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے، پھر آپ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر فتح کا اعلان کیا۔۔۔ (۸)

پھر اس کا بیٹا حسل سامنے آیا اس کو بھی مولا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا، پھر کفار مولا علی پر ٹوٹ پڑے۔ ضرار بن خطاب اور ہبیرہ بن ابی وہب حملہ آور ہوئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر و حضرت زبیر پہنچے، دونوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر کفار کو قتل کرنا شروع کیا۔ ضرار جیسے ہی مولا علی کے سامنے آیا، آنکھ ملتے ہی فوراً بھاگا۔ بعد میں لوگوں نے اس سے بھاگنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ حضرت علی کے چہرے سے مجھ کو خوف معلوم ہوا، مجھے اپنی موت نظر آنے لگی۔ میں اپنی جان لے کر بھاگا، ہبیرہ کچھ دیر تک لڑتا رہا لیکن تلوار کی ضرب اس پر بھی پڑی اور وہ اپنی زرہ آپ کی طرف پھینک کر بھاگ گیا۔۔۔ (۹)

بعد ازاں مولا علی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے بہ کمال مسرت فرمایا۔ علی کا عمرو بن عبدود کو قتل کرنا دونوں جہاں کی عبادت سے افضل ہے۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ مولانا علی کا عمرو بن عبدود کو قتل کرنا بالکل حضرت داؤد علیہ السلام اور جالوت کے قصہ سے مشابہ ہے، جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے ''یعنی وہ لوگ خدا کے حکم سے بھاگ گئے اور داؤد نے جالوت کو مار ڈالا''۔۔۔ (۱۰)

اس جنگ میں کفار کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کی دو وجوہات تھیں، ایک قریش میں اختلاف، دوسری جنگ کے بعد پڑاؤ میں سرد ترین راتوں میں تیز آندھیوں کا آنا ہے، جس کی وجہ سے دشمن کے خیمے گر گئے اور انہیں واپس لوٹنا پڑا۔۔۔ (۱۱)

ہجرت کے ساتویں سال محرم کے آخر میں خیبر کی جنگ ہوئی، اس جنگ میں جو کارنامے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ظاہر ہوئے، وہ تعجب خیز اور بہت مشہور ومعروف ہیں۔ اس موقع پر جو شہرت اور خصوصیت آپ کو حاصل ہوئی، وہ ابتدائی جنگوں سے بہت زیادہ تھی۔ خیبر میں یہودیوں کی بستی آباد تھی، جس میں کئی قلعے تھے۔ مسلمانوں نے ان قلعوں کو فتح کرنے کے لیے حملہ کیا۔ یہ لڑائی تقریباً ایک مہینے چلتی رہی اور لشکر اسلام نے ایک ایک کرکے تمام قلعے فتح کر لیے، لیکن سب سے بڑا قلعہ القموص فتح نہیں ہو رہا تھا۔ بڑے بڑے صحابۂ کرام کو آنحضرت ﷺ نے قلعہ فتح کرنے بھیجا، لیکن کسی کو کامیابی نہیں ملی، پھر ایک روز شام کے وقت آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمایا، جس کا ذکر ذیل کی حدیث میں آتا ہے:

''حضرت مسلمہ بن اکوع فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آشوب چشم کی تکلیف کے باعث معرکۂ خیبر کے لیے (بوقت روانگی) لشکر میں شامل نہ ہو سکے، پس انہوں نے سوچا کہ میں حضور نبی اکرم ﷺ سے پیچھے رہ گیا ہوں، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے اور حضور نبی اکرم ﷺ سے جا ملے۔ جب وہ شب آئی جس کی صبح اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا یا کل جھنڈا وہ شخص پکڑے گا، جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ محبت کرتا ہے۔ فرمایا: جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں خیبر کی فتح سے نوازے گا۔ پھر اچانک ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا، حالاں کہ ہمیں ان کے آنے کی توقع نہ تھی، پس حضور نبی اکرم ﷺ نے جھنڈا انہیں عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں فتح نصیب فرمائی''۔۔۔(۱۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس بخشش اور عطا پر مسرور ہوئے اور لشکر لے کر قلعہ کے پاس پہنچ کر آپ نے ایک جھنڈا گاڑ دیا۔ یہودی آپ کے اس جوش و جذبہ سے کافی مرعوب ہوئے، سب سے پہلے خیبر کے مشہور بہادر مرحب کے بھائی حارث چند مردان جنگجو کے ساتھ قلعہ سے باہر نکلا اور مقابلہ کی دعوت دی۔ لشکر اسلام سے دو سپاہی یکے بعد دیگر گئے، لیکن دونوں شہید ہو گئے، پھر مولا علی رضی اللہ عنہ مقابلہ میں آئے اور آپ نے شمشیر کی ایک ضرب سے اس کا کام تمام کر دیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مدارج النبوت میں لکھتے ہیں کہ ''مرحب کو جب اپنے بھائی کے مارے جانے کی خبر ملی تو وہ خیبر کے بہادروں کی جماعت کے ساتھ اسلحہ سے لیس ہو کر انتقام لینے کے لیے باہر نکلا، کہتے ہیں مرحب خیبر والوں میں بڑا بہادر، بلند قد وقامت والا بڑا جنگجو شخص تھا اور خیبر کے بہادروں اور شجاعوں میں اس کی برابری کا کوئی دوسرا شخص نہیں تھا۔ اس روز وہ زرہ پہن کر دو تلواریں حمائل کرکے، دو عمامے باندھے اس کے اوپر خود رکھ کر میدان میں آیا..... مرحب نے پیش دستی کرکے چاہا کہ حضرت علی مرتضیٰ کے سر پر تیغ کا وار کرے، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سبقت کرکے اچھل کر ضرب ذوالفقار سے اس ملعون غدار کے سر پر ایسی رسید کی کہ وہ خود کو کاٹتی، زنجیر کو کاٹتی ہوئی حلق تک آ گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے رانوں تک پہنچ گئی اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔۔۔(۱۳)

اس کے بعد اہل اسلام قلعہ کے اندر داخل ہو گئے اور یہودیوں کے ساتھ باقاعدہ طور پر جنگ شروع ہو گئی۔ ابن ہشام

سیرت النبی ﷺ میں لکھتے ہیں:

''ابن اسحاق نے کہا مجھ سے عبداللہ بن حسن نے اپنے گھر کے کسی آدمی کے واسطے سے حضرت ابورافع نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت بیان کی کہ جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی کو اپنا جھنڈا دے کر بھیجا اور وہ قلعہ کے قریب ہوئے تو اہل قلعہ نکل آئے، پھر حضرت علی اور ان کے درمیان مقابلہ ہونے لگا، ایک یہودی نے حضرت علی پر تلوار سے وار کیا، حضرت علی نے اسے اپنے ڈھال پر لیا، مگر ڈھال ہاتھ سے نکل کر گر گئی، اب علی نے قلعہ کے پاس سے ایک دروازہ اٹھایا اور اسے ڈھال کی جگہ استعمال کیا، جب تک لڑائی جاری رہی، یہ دروازہ ان کے ہاتھ میں ڈھال کا کام دیتا رہا، یہاں تک کہ اللہ نے انہیں فتح دے دی، پھر جنگ سے فارغ ہو کر انہوں نے یہ دروازہ ہاتھ سے اٹھا کر پھینک دیا، میری ٹولی کے ساتھ سات آدمی تھے اور آٹھواں میں تھا، ہم سب نے مل کر اس بات کی کوشش کی کہ یہ دروازہ ہٹا دیں، مگر ہم نہ ہٹا سکے۔۔۔(۱۴)

کنز العمال میں علامہ علاء الدین متقی رقم طراز ہیں:

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خیبر کے دن قلعے کا دروازہ اپنے ہاتھوں میں اٹھالیا تھا، جس کی بنا پر مسلمان خیبر کے قلعے پر چڑھ گئے اور اس کو فتح کرلیا، یہ پھاٹک اتنا بھاری تھا کہ کوشش کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ چالیس آدمیوں سے کم اس کو اٹھا نہ سکے''۔۔۔(۱۵)

۸ھ میں فتح مکہ کے چند دنوں بعد حضور ﷺ کو خبر ملی کہ کفار ۸۰۰۰ر کا لشکر لے کر جنگ کے لیے آرہے ہیں، ادھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اور ۱۲۰۰۰ر لوگوں پر مشتمل مسلمانوں کا لشکر روانہ ہوا۔ دونوں فوجیں حنین کی وادی میں روبرو ہوئیں۔ کافروں نے صبح کی تاریکی میں مسلمانوں پر شدید حملہ کر دیا، جس سے اسلامی فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ صرف چند نفر اس وقت آنحضرت ﷺ کے پاس جاں نثاری کے لیے رہ گئے تھے۔ ان میں مولا علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بیعت رضوان والوں کو بلا لاؤ۔ حضرت عباس نے ان کو پکارا پھر انصار کو پکارا، وہ سب پلٹے اور جنگ میں شریک ہوئے۔ ایک شخص قوم ہوازن کا سرخ اونٹ پر بیٹھا تھا، وہ مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کر رہا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر ایسی تلوار ماری کہ اس کے اونٹ کے پیر قلم ہو گئے اور وہ زمین پر گر پڑا پھر دوسرے وار میں آپ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر ابو جرول جو بہت ہی مشہور پہلوان تھا، مقابلہ کے لیے آیا۔ شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو بھی قتل کر دیا۔ اس جنگ میں مولا علی کے ہاتھوں چالیس کفار مارے گئے، آپ نے ایسی شجاعت کا مظاہرہ کیا اور اس قدر جاں فروشی سے لڑے کہ آپ کے اور آپ کے چند ساتھیوں کی ہمت کو دیکھ کر چند لمحوں میں تقریباً ۱۰۰ر لوگ جمع ہو گئے اور سبھوں نے پرجوش انداز میں حملہ کیا پھر اور بھی مسلمان آ کر حملہ میں شریک ہوتے رہے، اس طرح مسلمانوں نے ہاری ہوئی بازی جیت لی۔۔۔(۱۶)

ان غزوات کے علاوہ مولا علی رضی اللہ عنہ نے اور بھی کئی غزوات میں شجاعت کے جوہر دکھائے ہیں۔اس مختصر سے مضمون میں تمام غزوات کی تفصیلات پیش کرنا ممکن نہیں ہے۔

الغرض اگر تاریخ اسلام پر نظر ڈالی جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جنگی کارنامے ان اوراق پر روشن نظر آئیں گے۔ ہر معرکے میں ان کی ذوالفقار چمکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں کوئی بہادر ٹکا ہی نہیں۔آپ کی تلوار نے مرحب وابوجرول وعمرو بن عبدود جیسے بہادروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔مولا علی رضی اللہ عنہ کا دل عشق الٰہی اور عشق رسول ﷺ سے لبریز تھا۔اسی محبت کی بنا پر وہ ساری زندگی بلاخوف راہ خدا میں جہاد کرتے رہے۔اسلام ایسے مرد مجاہد کا ہمیشہ احسان مند رہے گا۔

شاہ مرداں شیر یزداں قوت پروردگار
لافتیٰ الاعلی لاسیف الاذوالفقار

حواشی :

(۱) بنی احمد سہا، اصحاب رسول اور ان کے کارنامے، نئی دہلی، تاج کمپنی، ۱۹۸۸ء، ص: ۲۶۱
(۲) قاضی محمد سلیمان منصور پوری، اصحاب بدر، لاہور، ابوبکر قدوس (ناشر)، ۲۰۰۰ء، ص: ۳۴
(۳) محمد حبیب القادری، سیرت حضرت سیدنا علی المرتضیٰ، لاہور، اکبر بک سیلرز، ص: ۴۱۔ ۴۳
(۴) سید ابوالحسن ندوی، المرتضیٰ، لکھنؤ، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ۱۹۸۹ء، ص: ۷۲
(۵) مولانا معین واعظ الکاشفی، معارج النبوت، لاہور، مکتبہ نبویہ، ۱۹۹۰ء، جلد: ۳، ص: ۱۴۱۔ ۱۶۹
(۶) حافظ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ (تاریخ ابن کثیر)، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۷ء جلد: ۴، ص: ۱۳۔ ۳۴
(۷) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت، لاہور، شبیر برادرز، ۲۰۰۴ء، ج: ۲، ؟ص: ۱۶۶
(۸) علامہ علی بن برہان الدین حلبی، غزوات النبی ﷺ، کراچی، دارالاشاعت، ۲۰۰۱ء، ص: ۳۴۰۔ ۳۴۴
(۹) ایضاً، ص: ۳۴۳۔ ۳۴۴
(۱۰) سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۵۱
(۱۱) سید ابوالحسن ندوی، المرتضیٰ، لکھنؤ، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ۱۹۸۹ء، ص: ۷۷
(۱۲) ڈاکٹر طاہر القادری، عرفان السنہ، عرشی کتاب گھر، حیدرآباد، ص: ۳۳۴
(۱۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت (اردو) ترجمہ مفتی غلام معین الدین نعیمی دہلی مٹیا محل ۱۹۸۹ء، ص: ۴۱۱۔ ۴۱۴
(۱۴) ابن ہشام سیرت النبی (ترجمہ مولانا عبدالجلیل صدیقی) اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس ۱۹۸۵ء، ج: ۳، ص: ۳۹۹۔ ۴۰۱
(۱۵) علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدین، کنز العمال، دارالاشاعت کراچی، ۲۰۰۹ء، ج: ۷، ص: ۷۱
(۱۶) غزوات النبی، ص: ۶۳۷

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

طب یونانی کو نشاۃ ثانیہ بخشنے والے
مرد مجاہد کی طبی خدمات

● پروفیسر ڈاکٹر سید فضل اللہ قادری — قومی نائب صدر آل انڈیا طبی کانگریس، نئی دہلی

ہندوستانی تاریخ میں ۱۹ ویں صدی کا نصف آخر اور ۲۰ ویں صدی کا نصف اول ہر لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے، یہی وہ زمانہ ہے کہ جب ہندوستان غیر ملکی تسلط کے زیر نگیں ہو چکا تھا؛ لیکن اس کے خلاف عوامی جدو جہد کا دور بھی شروع ہو چکا تھا، اس زمانہ کا ہر چھوٹا بڑا واقعہ وحادثہ صفحات تاریخ میں رقم ہو رہا تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب مغربی تہذیب اپنے وسیع تر دامن میں مشرقی تہذیب کو سمیٹنے کی جدو جہد میں مصروف عمل تھی، ساتھ ہی جدید علوم کے دروازے بھی کھل رہے تھے۔ یہی وہ دور تھا، جس میں نئی نئی تحریکیں میدان کارزار میں اپنی جگہ بنا رہی تھیں اور ان کے پشت پر تمام قومیں بلا تفریق مذہب وملت کھڑی تھیں اور انگریز حکمرانوں کی نیندیں حرام ہو رہی تھیں، ان کی مستحکم حکومت لرزہ براندام ہو رہی تھی۔ مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاںؒ اسی (۱۹۲۰ء) دور کی ایک ایسی ہمہ جہت شخصیت تھی، جو نہ صرف ملک کے آزادی کے حصول کے لیے ڈاکٹر انصاری، اور مہاتما گاندھی، جواہر لعل نہرو کے زیر اثر جدو جہد آزادی میں مصروف نظر آتی ہے؛ بلکہ ہندوستانی طریقہ علاج کی بقا کی لڑائی بھی لڑتی نظر آتی ہے۔ قبلہ مسیح الملک کا خاندانی نسب حضرت خواجہ عبداللہ احراری سے ملتا ہے، جو اپنے عہد کے علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے۔ دربار بادشاہی میں ان کی بڑی عزت تھی، آپ کے خاندان کے مورث اعلیٰ خواجہ محمد یوسف احراری شہنشاہ بابر کے ہمراہ وسط ایشیا سے سرزمین ہند میں تشریف لائے، عہد اکبری میں قبلہ مرحوم کے بزرگ طبیب شاہی مقرر ہوئے اور عہد جہانگیر میں یہ آگرہ سے بوجہ تبدیلی پایہ تخت دہلی آگئے۔ حکیم فاضل خاں کے پوتے حکیم شریف خان مرحوم سب سے پہلے حکیم ہیں، جنہوں نے بلیماراں دہلی میں باقاعدہ مطب شروع کیا، ساتھ ہی درس وتدریس کا سلسلہ بھی شروع کیا اور اپنے خاندانی شہرت کو معراج کمال تک پہنچایا۔ جناب مسیح الملک کے والد ماجد حکیم محمود خان مرحوم کی حذاقت طبع اور ان کے علم وفضل نے

اس شہرت میں چار چاند لگا دئے ۔جن کی وفات کے بعد حکیم مولوی عبد المجید خان مرحوم نے مدرسہ طبیہ کے قیام سے نہ صرف فن طب بلکہ تمام ملک پر احسان عظیم کیا۔آپ کے انتقال پر حضرت قبلہ مسیح الملک کے بھائی حکیم واصل خان مرحوم نے اس امانت کو سنبھالا، جن کے بعد جناب قبلہ مسیح الملک مرحوم نے جس حسن وخوبی اور خداداد صلاحیت وقابلیت سے اس بار امانت کی حفاظت کی وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ یوں تو اس خاندان میں علم وفضل، وجاہت واعزاز اور امارت کا سہ گانہ امتیاز موروثی طور پر جس طرح چلا آرہا تھا کسی دوسرے خاندان کو ہندوستان میں نصیب نہ ہوسکا اور جس طرح اس خاندان کا ہر ایک بزرگ یکے بعد دیگرے اپنی عزت وشہرت کو ایک خاص مقام عروج تک پہنچاتا رہا اور پھر اس کے بعد اس کے جانشیں (موجودہ طب یونانی کے اہل علم وفن) ان کے ہی نقش قدم پر چلتے ہوئے اور آپ کی یادگاروں، آپ کے قائم کردہ اصولوں پر کاربند رہ کر فن اور اہل ملک کے حق میں مفید اور کارآمد کارکردگی انجام دیتے رہے۔

مسیح الملک نے جہاز طب کے لئے ایک زبردست ستون کا کام کیا جو اسے تمام طوفانہائے مصائب سے بچائے ہوئے تھا۔مسیح الملک ہی تھے، جنہوں نے اس مردہ فن کو از سر نو زندہ کیا طبی کانفرنس قائم کی، طبی مجلہ شائع کیا اور طبیہ کالج کی بنیاد رکھی جس کا یہ اثر ہوا کہ اس وقت دنیائے طب کے گوشہ گوشہ میں حیات وزندگی موجود ہے۔آج بھی اس کے اثرات کو اہل دید ودانش اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں؛ بلکہ کر رہے ہیں دانشوران طبی دنیا ان کے ہی خوشہ چین ہیں اور انہیں کے قائم کردہ "قصر طب" کی آرائش و زیب وزینت کو قائم ودائم رکھنے کا اہم فریضہ انجام دینے میں مصروف عمل ہیں، گو کہ خلوص وایثار کی بڑی حد تک کمی کا بھی احساس ہورہا ہے۔درجنوں طبی صحائف اشاعت پذیر ہوئے، طبی درسگاہوں کا ملک گیر پیمانہ پر قیام عمل میں آیا۔مسیح الملک کی تحریک پر ہی گورنمنٹ طبیہ اسکول پٹنہ کا قیام عمل میں آیا اسی کے ساتھ ملک کے مختلف صوبوں مثلاً لکھنؤ، مدراس، حیدرآباد، بھوپال اور ممبئی نے بھی اپنے یہاں کالج قائم کئے۔ترقی نے اس منزل کو سر کرلیا تو گورنمنٹ نے بھی آیورویدطب یونانی کے فوائد وقدر وقیمت کا اعتراف کرلیا اور اسی اعتراف حقیقت نے آزاد ہندوستان میں طب یونانی کی بنیادوں کو مستحکم کیا ہے۔

۱۹۱۰ء کا سال حکیم محمد اجمل خانؒ کے لئے طبی پیشے کے اعتبار سے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔یونانی طریقہ علاج کو مقبول عام بنانے کے اس اقدام سے برافروختہ ہوکر بمبئی میڈیکل ایسوسی ایشن نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ سبھی دیسی طبوں پر قانونی طور سے پابندی عائد کرے جو اس کی نظر میں باضابطہ نہیں تھیں۔ایسوسی ایشن نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ مطب شروع کرنے کی اجازت دینے سے پہلے ہر معالج کے لئے اعلیٰ میعار سے گذرنا لازمی قرار دے دیا جائے۔اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ مستقبل میں حکیموں، ویدوں کے مطب کرنے پر پوری پابندی عائد ہوجائے اور یہ فن اپنی موت آپ مرجائے یہ تصویر کا ایک رخ ہے جو بہت ہی بھیانک نتائج پیدا کرسکتا تھا۔اگر حکیم محمد اجمل خان سدراہ نہ بن جاتے۔تو طب ہندی ودیسی طریقہ علاج اپنی موت آپ مرجاتا۔ایک دوسرا رخ موجودہ دور کا ہے کہ ہمارے اطباء اور اہل فن قدامت سے اپنا دامن چھڑانے کے لئے ہر لمحہ

فکرمند ہیں۔ جدیدیت کا بھوت کچھ اس قدر سوار ہے کہ قدامت فرسودہ نظر آنے لگی ہے۔ حالاں کہ واقعہ یہ ہے کہ قدامت ہی نظر آرہی ہے اور نہ جدیدیت ہی اپنے پورے ساز وسامان کے ساتھ موجود ہے۔ جب کہ حکیم محمد اجمل خان حکیموں اور ویدوں کے اندر سائنسی روح پھونکنا چاہتے تھے اور طب مغربی وطب قدیم کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا چاہتے تھے اور جدید تحقیقات سے بھی استفادہ مقصود نظر تھا۔ لیکن اسی حد تک کہ قدامت بھی اپنی پوری شکل وصورت میں موجود رہے وہ ''خذ ما صفا ودع ما کدر'' کے خاص اصول کے قائل تھے۔ طب جدید کی مفید معلومات کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور یہ طب کی ماضی بھی ہے کہ قدیم مصریوں، یونانیوں اور عربوں کی تمام مفید معلومات کو جذب کرتی چلی گئی ہے۔ لیکن مسئلہ کی سمت بدل گئی۔ اور باہمی اختلاط Integration کا جہاں تک تعلق ہے وہ محض یک طرفہ چیز نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لئے دونوں کا تیار ہونا ضروری ہے اور ان کی باہمی آمیزش سے جو ایک تیسری نئی چیز وجود میں آئے گی ان کی ترکیب میں دونوں کا برابر کا حصہ ہوگا۔ صحیح Integration اسی وقت ممکن ہے جب دونوں طرف سے اس کی خواہش ظاہر کی جائے۔ باہمی اختلاط کا حقیقی مفہوم بہت اعلیٰ تخیل کا حامل ہے اور اس میں کسی ایک کا زیادہ نقصان نہیں لیکن موجودہ صورت میں طب اپنا سب کچھ کھودے گی جو کہ مسیح الملک کے مذکورہ اصول کے منافی ہوگا۔

ہاں! جہاں تک Assimilation جذب وقبول کا سوال ہے اس کے لئے طب یونانی تیار ہے اور کوئی بھی علم اس سے اپنا دامن نہیں بچاسکے گا۔ زمانۂ گزشتہ میں مختلف طبوں کے مطالعہ سے طب یونانی میں جن معلومات کا اضافہ کیا گیا ہے وہ Assimilation ہی کی بنیاد پر کیا گیا ہے، جیسا کہ اوپر ''خذ ما صفا ودع ما کدر'' طب قدیم کا ایک خاص اصول رہا ہے، یہاں حکیم شبلی کی یہ عبارت نقل کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ ''کوئی قوم ہو یا ملت فرد ہو یا جماعت اپنے آپ کو زندہ نہیں رکھ سکتی تاوقت کہ مسلسل جدوجہد میں مصروف نہ رہے؛ اس لیے کہ مسلسل سعی ہی کا نام زندگی ہے۔ کائنات کے جتنے شعبے ہیں اور ان میں جتنی چیزیں پائی جاتی ہیں سب کی سب ''تنازع للبقاء اور بقائے اصلح'' Struggle for Existence and Continuance Best کے قانون کے تحت حرکت پیہم میں مصروف ہیں۔ جو جماعت فرد، یا قوم اس قانون سے آنکھیں پھیر لیتی ہے، اس کے لئے فنا کی آغوش کے سوا اور کوئی مقام نہیں، طب کی بالیدگی، نمو یا ترقی کے انسداد کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ارباب فن نے تنازع للبقا اور بقائے اصلح کے قانون سے ایک دم صرف نظر کرلیا ہے، اسلاف سے ان تک جو کچھ پہنچا تھا، اس کو ترقی دینا تو الگ رہا اس کی اچھی طرح حفاظت بھی نہ کرسکے، البتہ مرعوبیت کی وجہ سے یہ ضرور ہوا کہ نظریات جدید کی روشنی میں ان کے اقوال کی طرح طرح سے تاویلیں کرنے لگے، حالاں کہ اس کی چنداں ضرورت نہ تھی اطباء سلف نے اپنی تحقیقات جتنی اور جس حیثیت سے پیش کی تھیں ان کے صحیح مفہوم کو دنیا کے سامنے رکھ دیا جاتا اس سے ہوتا یہ کہ اپنے نقطہ نگاہ اور تعبیرات سے ہٹ کر دنیا ان کے صحیح زاویہ نگاہ کو سمجھنے کی کوشش کرتی اس تاویل کا یہ انجام ہوا کہ وہ نقوش جو طب عربی کی عظمت شان کا پتہ دیتے تھے تدریجاً مٹتے چلے گئے''؛ لیکن مسیح الملک نے تنازع للبقاء اور بقائے اصلح کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مذکورہ

تجویز کی سخت ترین گرفت کی اور اس کے خلاف پورے ملک کے حکیموں اور ویدوں کے جذبات کو ابھارنے کی کوشش کی تھی۔ تجویز یہ تھی انگریزوں کی طب یونانی کے خلاف سازش ہندوستان سے طب یونانی وآیورویدکوختم کرنے کی غرض سے ہے اور اس کا بیڑا ڈاکٹر راماراؤ نے اٹھایا اور انہیں کے ذریعہ کونسل میں ایک بل پیش کر دیا گیا، جس کی غرض وغایت یہ تھی کہ جو شخص ایلوپیتھی طریقہ علاج کے علاوہ ہندوستان میں علاج معالجہ کرے گا اس کو قید وجرمانہ کی سزا دی جائے گی۔ یہ کام براہ راست کسی انگریز نے نہیں کیا؛ بلکہ انگریز کے ایک ہمدرد نے سرانجام دینے کا بیڑا اٹھایا، اسے معلوم تھا کہ یہ بل پاس ہونے کے بعد انگریز اقتصادی طور پر مالا مال ہوگا اور میرے ہمراہی ڈاکٹر صاحبان اس ملک میں اجارہ دار ہوں گے۔ اس بل کی حمایت بمبئی میڈیکل ایسوسی ایشن نے بھی کی، اس اشتعال انگیز مطالبہ کی تکمیل کی خاطر ۲۱؍نومبر ۱۹۱۱ء کو طبیبوں کے رجسٹریشن کے لئے بمبئی کی مجلس قانون ساز میں ایک بل پیش کیا اسی بل کی رو سے کوئی حکیم یا وید اس وقت تک منظور شدہ معالج کی حیثیت سے درج فہرست نہیں ہوسکتا تھا۔ جب تک کہ اس نے یا تو یورپ میں تعلیم حاصل کی ہو یا پھر وہ ہندوستان کی کسی منظور شدہ یونیورسیٹی کا سند یافتہ ہو۔ دراصل یہ بل تمام حکیموں اور ویدوں کے لئے موت کا پروانہ تھا جو طویل مدت سے مطب کر رہے تھے۔ اور ہندوستان کی تقریباً 80% آبادی کی خدمت میں مصروف تھے۔ حکیم محمد اجمل خان نے حکومت کے اس اقدام پر فوری ردعمل کا اظہار کیا اور بل کی مخالفت میں رائے عامہ ہموار کرتے ہوئے حکومت بمبئی کے خلاف ایک آئینی جنگ کا اعلان کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں کونسل میں ہندوستانی اراکین نے زبردست مخالفت کی اور دیسی طریقہ علاج کے خلاف حکومت کے اقدام کی شدید مذمت کی۔ ہندوستانی طرز علاج کی حمایت میں تقریر کرتے ہوئے ایک ممبر نے کہا ''ہندوستانی طریقہ طب پر بہت سی ایسی معیاری تصانیف موجود ہیں جو ہندوستانیوں کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں اور جو مقامی اطباء کے زیر مطالعہ رہتی ہیں۔ آخر میں کہا کہ اس بل کا قطعی طور پر یہ اثر ہوگا کہ اگر یہ پاس ہو کر قانون بن گیا تو پھر ہندوستانی طریقہ علاج ویدک وطب کے وجود ہی کو ختم کر کے رکھ دے گا۔ اسی طرح دیگر اصحاب الرائے نے زبردست مخالفت کی۔ حکیم محمد اجمل خان کا یہ ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ تھا کہ انہوں نے پورے ملک کا دورہ کر کے بل کی مخالفت میں رائے عامہ کو ہموار کیا اور اس کی حمایت میں خان بہادر میر اسد علی، شری گنگا دھر چٹ نویس، راجہ سید ابو جعفر پیر پور، سریندر ناتھ بنرجی، رائے سینا ناتھ رے بہادر، مدھوسودن داس، قمر الہدیٰ، سی وجئے راگھوا چاریہ اور پنڈت مدن موہن مالویہ، نے بھی اس تجویز کی پرزور مخالفت کی۔ وجئے راگھوا چاریہ نے تو نہ صرف ہندوستانی طریقہ علاج کی وکالت کی بلکہ مغربی طرز علاج کو چیلنج کرتے ہوئے کہا ''میں واضح طور پر اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہوں کہ اگرچہ جراحت کے میدان میں یورپ نے ترقی ضرور کی ہے'' تاہم میں اس سے انکار کرتا ہوں کہ وہ آیورویدک اور یونانی طریقہ ہائے طب کے ذریعہ امراض کا علاج ومعالجہ کرنے کے سلسلہ میں ہم سے برتر ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ فن جراحی بھی طب قدیم کے موجد کی دین ہے۔ تاریخی اوراق اس بات کے شاہد ہیں کہ انسانی عقل

ہمیشہ دنیا کے ہر علم وفن میں ایجادات واختراعات کرتی رہی ہے اور ایک چیز جب ایجاد ہو جاتی ہے تو بعد میں آنے والی نسلیں اقتضائے وقت کے لحاظ سے اس میں نزاکتیں اور سہولتیں پیدا کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں، سو وہ اہل مغرب نے کیا۔ اور اس حقیقت سے وہ بھی انکار نہیں کر سکتے کہ ابوالقاسم زہراوی نے فن جراحت کو نہایت خوبی کے ساتھ مدون کیا اور قرون وسطی میں یورپ میں ابوالکاسس جو الزہراوی کے ناموں سے مشہور تھا۔ ہاں میں وجئے راگھون اچاریہ کے مذکورہ قول کی تائید کرتا ہوں کہ ہمارے اطباء مدت مدید سے فن جراحی سے بہت دور ہو چکے ہیں؛ لیکن اس کی بڑی وجہ درسیات میں تو مضمون کو شامل کیا گیا؛ لیکن اس کی عملی شکل کے لئے وسائل نہیں پیدا کئے گئے؛ لیکن یہ کہہ دینا کہ قدیم طب فن جراحی سے ناشناسی صحیح نہیں ہے، اعمال جراحیہ سے متعلق طب کی قدیم کتابوں میں موتیا بند کا آپریشن، آنکھ، کان، ناک کا آپریشن، گردے ومثانہ کا آپریشن کا تذکرہ موجود ہے۔ اگر حکومتیں طبیہ کالجز کو بھی جدید سہولتوں سے آراستہ کریں تو یہ طلباء بھی بخوبی یہ کام انجام دے سکتے ہیں۔ AIUTC بہار کے صدر حکومتوں سے اس جانب بھی توجہ دینے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ سنٹرل کمیٹی کو بھی اپنے مطالبات میں اس کو شامل کرنا چاہئے اور محترم جناب جنرل سکریٹری ڈاکٹر سید احمد خاں صاحب کی توجہ بھی اس جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ ہاں تذکرہ چل رہا تھا ''بل'' کا حکیم صاحب نے جس کوشش کی ابتداء کی تھی آخرش اس میں کامیابی مل ہی گئی۔ اگر اس ''رول ایکٹ'' کے خلاف ہندوستان گیر پیمانہ پر آواز بلند نہ کی گئی ہوتی تو دیسی طبوں کا انگریزوں کے ہاتھوں وہی حشر ہوتا جو مشرق وسطیٰ میں طب عربی واسلامی کے ساتھ ہوا۔ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی عرب ممالک میں اس کو شجر ممنوعہ کی حیثیت حاصل ہے۔ کاش ان میں عقل وخرد کا اس قدر فقدان نہ ہوتا تو شاید طب عربی ان ممالک میں زیادہ بہتر کارکردگی انجام دیتی۔ آل انڈیا آیورویدو یونانی طبی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے ہونے والا تاریخی کارنامہ ہے، جس کا ذکر قیامت تک ہوتا رہے گا۔ دیسی طبوں کی نشاۃ ثانیہ کا سہرا حکیم اجمل خانؒ کے سر ہی بندھا رہے گا۔

طب کے علاوہ ہندوستانی سیاست میں مرحوم نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ ملک کے سامنے ہیں اور کسی توضیح وتشریح کے محتاج نہیں۔ قومی وملکی معاملات میں ان کی قیادت ملک کی آزادی کی تحریکات میں بااصول رہنمائی علمی کاموں میں انہماک عوام وخواص کے لئے معالجانہ خدمت یہ سب وہ کارنامے ہیں، جو ماضی کی تاریخ کا ایک نمایاں حصہ ہیں۔ مرحوم عمر کے آخری حصہ میں جامعہ ملیہ کے لیے جس جانفشانی سے کام کرتے رہے، وہ قابل تحسین ہے۔ آیورویدک و یونانی طبیہ کالج قرولباغ قائم کیا۔ زنانہ طبیہ کالج قائم کیا۔ قومی اور ملکی کاموں میں بھی آپ کی خدمات گراں قدر ہیں۔

اپریل ۱۹۲۷ء میں رام پور میں منعقد طبی کانفرنس کے پندرہویں اجلاس میں فرمایا'' میں نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ فن طب کی خدمت میں صرف کر کے اس کی بنیاد کو مضبوط کر دیا ہے، اب آئندہ آپ لوگوں کا فرض ہے کہ اس کی مستحکم بنیاد پر عمارت بنا کر ہمیشہ کے لیے قائم رکھیں اور اس کی ترقی کے ذرائع پیدا کریں۔ ملک کی آزادی کے بعد یہ کاروان برابر آگے کی

جانب بڑھ رہا ہے، جس میں حکومتوں کا تعاون بھی شامل ہے۔ یہ سوال الگ ہے کہ طب جدید کے مقابلہ ہندوستانی طریقہ علاج کا کیا حصہ ہونا چاہئے اور کیا مل رہا ہے۔ آزادئ ملک کے بعد حکیم محمد اجمل خان کے بعد اگر کسی نے فن کی ارتقا کے لئے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں تو ان میں حکیم عبد الحمید مرحوم کا نام نامی اسم گرامی نوک قلم سے نکل ہی جائے گا اور اس عقیدت کا اظہار مبنی برحقیقت ہے۔ بعد کی ترقیات کے لئے بنیادیں حکیم صاحب مرحوم نے ہی قائم کردی تھیں۔

ہر عہد کی اپنی ضرورت ہوتی ہے اور ہر ضرورت کی تکمیل کے لئے ایک مناسب وموزوں وقت ہوا کرتا ہے ۱۹۱۰ء سے قبل ہی علوم عربیہ کی کساد بازاری کا احساس ہونے لگا تھا اور علم طب جس کے حصول کا ذریعہ عربی زبان تھی اور فارسی افہام و تفہیم کا ذریعہ تھی۔ اس کے گراف میں برابر گراوٹ آرہی تھی۔ ہندوستان میں ایک دور ایسا بھی گذرا ہے جس میں عربی و فارسی زبان اوڑھنے اور بچھونے کی حیثیت رکھتی تھی۔ لکھنا پڑھنا بولنا، عربی زبان میں ہوا کرتا تھا۔ فارسی سرکاری زبان کی حیثیت سے معروف تھی۔ اب اس میں بھی کمی آرہی تھی لہذا ماہرین تعلیمات، ارباب فکر وفن بالخصوص مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان کو اس بات کا احساس ہو چکا تھا کہ آنے والے دنوں میں یہ دونوں زبانیں تعلیم وتعلم، افہام وتفہیم کی حیثیت سے مفقود ہو جائیں گی اور عربی و فارسی کتابوں سے براہ راست استفادہ کی صلاحیت نہیں کے برابر رہ جائے گی غالباً یہی صورتحال پیش آئی ہوگی، جو اس وقت اردو زبان کے ساتھ ہے لہذا ارباب فکر وفن نے فیصلہ کیا کہ اگر طب قدیم کو سرزمین ہندوستان میں زندہ رکھنا ہے۔ ترقی کے مدارج پر گامزن رہنا ہے تو قدیم کتابوں رسالوں اور اسلاف کے ورثہ کو موجودہ زبان مروجہ میں منتقل کرنا ناگزیر ہے اور طب جدید کے مضامین کی تعلیم بھی بذریعہ اردو زبان دی جائے تاکہ طلباء اس سے بھی روشناس ہوسکیں۔ اس خیال کی بنیاد پر مسیح الملک نے ۱۹۲۶ء میں ایک ریسرچ کمیٹی قائم کی جس کے مندرجہ ذیل ممبر تھے۔

(۱) مسیح الملکؒ (۲) علامہ حکیم کبیر الدینؒ (۳) حکیم عبد الحفیظؒ (۴) حکیم فضل الرحمنؒ۔

اس کمیٹی کا مقصد یہ تھا کہ طب یونانی کے اصول ومسائل کی چھان بین کی جائے طب یونانی کی جو کتابیں نصاب تعلیم میں شامل ہیں، صرف یہی پوری طب یونانی نہیں ہے؛ بلکہ تقریباً ۲/ حصے طب یونانی کے قلمی کتابوں کی شکل میں محفوظ ہیں، جن سے اطباء عموماً ناواقف ہیں۔ اس سے طب یونانی کے طلباء کو واقف کرایا جائے۔ موصوف نے طب کی تعلیم میں ترقی کے لئے ایک قدم اور بڑھایا وہ یہ کہ اردو زبان میں طب جدید کے چند علوم کی تعلیم کو لازمی قرار دیا اور اس بات کا انتظام کیا گیا کہ میڈیکل کالج آگرہ کی داخل نصاب کتاب Anatomy کا مکمل ترجمہ کرایا جائے۔ اسی طرح علم الادویہ Materia Mediaca کے ساتھ Medicine اور علم الامراض (Pathology) اور علم الجراحت (Surgery) کو شامل نصاب کیا گیا۔ اس انتظام سے طبی درسگاہوں کی تعلیم طب قدیم اور طب جدید کی شمولیت سے ایک جامع مجموعہ تیار ہوگیا جس کی جامعیت مفید ہونے کے لحاظ سے آپ اپنی نظیر بن گئی۔ اس انتظام سے درسگاہ طب کی تعلیم طب قدیم اور طب جدید کے باہم موازنہ کرنے اور ہر ایک عملی مسئلہ کو

دونوں اصول کے لحاظ سے جانچنے کے واسطہ زریں موقع بہم پہنچایا جائے،اس جدید تعلیم کی بدولت طلبا میں روح وبصیرت پیدا ہوگئی۔اہم مضامین طب جدید کے انتخاب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ درسگاہ طبیہ کا سند یافتہ طب جدید کے تمام ضروری اور اہم آلات سے مسلح ہو کر طب جدید کے حاملین سے تبادلۂ خیالات کرنے کی صلاحیت پیدا کرے۔مذکورہ کمیٹی کے ایک ممبر علامہ حکیم کبیر الدین نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور درسی کتابوں کی ترتیب،تدوین وتراجم میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔اس کو کسی بھی حالت میں فراموش کرنا یا نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہے۔اور یہ خدمت انہوں نے مسیح الملک کے ایما پر ہی انجام دی۔موصوف نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اسی مقصد میں صرف کر دیا۔

حکیم اجمل خاں جامع کمالات وخصوصیات کے حامل تھے۔ان کا علم طب،ان کی حاذقانہ طبابت،ان کا تدبر وتفکر، اور ان کا لطیف مذاق امتیازی حیثیت کا حامل تھا۔وہ کئی زبانوں کے عالم تھے،اردو میں دسترس کے ساتھ ہی عربی وفارسی کے بھی ماہر تھے۔انہوں نے فن طبابت وحکمت میں جو گلہائے رنگیں وگوناگوں کھلائے کہ ان کی خوشبو دیگر گلستان فنون پر غالب آگئی؛ لیکن ان کی ذات میں ہمہ گیریت ہے۔وہ طبیب حاذق،دانشور،مفکر اور محب وطن ہونے کے ساتھ ہی ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ صاحب دیوان شاعر تھے۔شیدا ان کا تخلص تھا۔جرمنی میں ان کا کلام دیوان شیدا کے نام سے جامعہ ملیہ کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ اگر ہم ان کی شاعری میں دیدہ ریزی کریں اور ان کے اشعار کا تنقیدی جائزہ لیں تو ہمیں اس فن میں ان کی قد آور شخصیت کا اندازہ ہوگا اور ہمیں احساس ہوگا کہ شعری ادب میں انہیں جو منصب بلند حاصل تھا وہ ہر شخص کی قسمت میں نہیں ہوتا اور یہ سعادت صرف قوت وتوانائی،کسب وطلب اور جدوجہد کا نتیجہ نہیں تھی؛ بلکہ فیاض ازل کی فیاضی کے جود وکرم کا نمونہ تھی۔نمونہ کے چند اشعار حاضر خدمت ہیں:

بس ایک ذات حضرت شیدا کی ہے یہاں ❁ دہلی سے رفتہ رفتہ سب اہل ہنر گئے
کہ اب کہاں ہیں اس چمن میں شب کی بزم آرائیاں ❁ ایک سبو باقی رہا ہے وہ بھی کچھ ٹوٹا ہوا
یہ کیا حالت ہوئی ایک ساقی کے نہ ہونے سے ❁ کہ خم کے خم بھرے ہیں مئے سے اور میخانہ خالی ہے
ابھی سے تقاضہ کہ گھر جائیں گے ❁ تم آئے کہ گویا سحر ہو گئی

طب یونانی کا مستقبل روشن اور تابناک ہے،ہوسکتا ہے،یہ وقت کی ضرورت بھی ہے۔فارغین طب یونانی طریقہ علاج کو عام کریں،وفاداری کا سلوک کریں تو اس کی بقا کو مزید استحکام مل سکتا ہے اور مسیح الملک کے دکھائے ہوئے راستہ پر چل کر اس طریقہ علاج کی مسیحائی کو عمومی بنا سکتے ہیں اور کلی طور پر اس طریقہ علاج کے غلام بن کر نہ رہ جائیں جو کہ ابتداء آفرینش سے ہی اس فن کا مخالف رہا ہے۔یہ تو طب کا اعجاز ہے کہ وہ نہایت پرخار راہوں پر چل کر اپنی زیست وحیات کا پتہ دے رہی ہے۔

۲۸-۲۹/دسمبر ۱۹۲۷ء کی درمیانی شب کو یہ حادثہ عظیم پیش آیا تھا یعنی رام پور کی زمیں نے دلی کے آسماں کو کھایا

تھا اور ہندوستان کا یہ آفتاب رام پور کے شاہی محل کے ایک کمرہ میں ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا حکیم سید علی احمد صاحب نیر واسطی نے آپ کی وفات پر ایک عربی مرثیہ مع ترجمہ لکھا تھا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

ماکان قئیس هلك هلكاً واحدًا ❁ لكنه بنيان قومٍ تهدّ ما

موت مجنوں کی نہیں دنیا میں اک انسان کی موت

بلکہ بنیادِ جہان مہر و الفت گر گئی

یہ مقالہ ۱۲ر فروری ۲۰۲۳ء بہ موقع یوم الولادت حکیم اجمل خاں زیور تحریر سے مزین ہوا۔

—(مآخذ: دور جدید اور طب، حکیم اجمل خان، ظفر احمد نظامی، تحفہ دکن وحامیٔ صحت، طبی میگزین کراچی)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

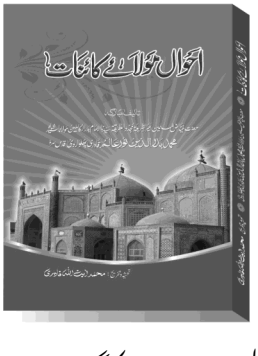

احوال مولائے کائنات

تالیف مبارکہ: حضرت فیاض المسلمین امیر الشریعۃ مجدد الطریقۃ سیدنا الامام بدر الکاملین مولانا شاہ محمد بدر الدین نور عالم قادری پھلواروی م: ۱۳۴۳ھ

تحشیہ وتخریج: جناب حضور حضرت الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کے حالات پر حضرت اقدس فیاض المسلمین قدس سرہٗ کی گرانقدر تحریر جس کی تخریج وحواشی جناب حضور حضرت الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی کے قلم سے ہے—اور حدیث ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ'' کی صحت واستناد سے متعلق جناب حضور مدظلہ نے ایک تفصیلی جائزہ لیا ہے، جو ایک جامع، مبسوط اور تحقیقی مقالہ کی شکل میں شامل کتاب ہے۔

دیدہ زیب طباعت اور خوشنما سرورق سے مزین 264 صفحات پر مشتمل یہ کتاب -/140 روپے میں دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے حاصل کریں۔

رابطہ: +91-7250433562, 7903953313

تیرہویں قسط

منزل جاناں پہ تو پہنچا بہ صد مشکل سہی
(چند دن دیار حرم میں)

● وارث ریاضی — کاشانۂ ادب، سکٹھا دیوراج، بسوریا، مغربی چمپارن

۱۹؍ستمبر ۲۰۱۷ء کو صبح صادق سے پہلے حج کے سفر سے واپس وطن پہنچا۔ سفر میں چاہے جتنی سہولتیں میسر ہوں، سفر بہ ہر حال دشوار مرحلہ ہوتا ہے، ہر چند کہ سفر کو وسیلۃ الظفر کہا گیا ہے، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ظفر (کامیابی) کا راستہ بسا اوقات سقر (یعنی دشواریوں) سے ہو کر گزرتا ہے۔ گھر پہنچتے پہنچتے اتنی تکان ہوگئی تھی کہ گمان یہ ہونے لگا تھا کہ شاید سفر حج سے واپسی پر زندگی کا سفر بھی تمام ہونے والا ہے، لیکن وہ ذات جس نے زندگی جیسی متاعِ گراں بخشی ہے، اس کے سوا کون جانتا ہے کہ زندگی کا سفر کب تمام ہوگا؟

گھر پہنچ کر حوائج اصلیہ سے فارغ ہو کر کھانا کھایا، پھر سو گیا، دن بھر گھر سے باہر نہیں نکلا، اس لیے بہت سے احباب و اعزہ کو میرے گھر پہنچنے کی خبر بھی نہیں ہو سکی۔ ۲۰؍ستمبر ۲۰۱۷ء کو گھر سے باہر نکلا تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ میں واپس آ گیا ہوں، کئی دنوں تک ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔

سطورِ بالا میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ راقم ناچیز بہت صبر آزما حالات میں حج کے سفر پر روانہ ہوا تھا، گھر واپس آنے کے بعد تقریباً دو ہفتے گزرے ہوں گے کہ میعادی بخار میں مبتلا ہو گیا۔ ایک ماہ سے زیادہ عرصے تک بخار کا سلسلہ رہا۔ بخار ختم ہوا تو کئی ماہ تک نقاہت اور کمزوری نے نشاطِ طبع چھین لی، لیکن ان حالات میں یعنی ادائے حج کی خوشی میں یک گونہ سکون خاطر رہا۔

نماز کی طرح حج بھی اسلام کا ایک اہم رکن ہے، لیکن نماز کی اہمیت ''حج'' سے اس لیے بڑھ جاتی ہے کہ شعور کو پہنچنے کے بعد ہر بالغ، عاقل مسلمان پر چند شرعی اعذار اور مخصوص حالات کو چھوڑ کر بلا ناغہ ہر روز پانچ اوقات کی نمازیں فرض عین ہیں، جب کہ وجوب حج کے لیے مالی استطاعت اور چند دوسری شرائط بھی ہیں جن کے پائے جانے کے بعد ہی حج کرنا واجب ہوتا ہے،

علاوہ ازیں مالی استطاعت اور حج کرنے کی صلاحیت کے بعد بھی زندگی میں صرف ایک بار حج کرنا فرض ہے، فرضیت حج کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک بار حج کیا، اس کے بعد آپ ﷺ کا وصال ہوگیا۔

بہ ہر حال نماز اور حج ایسی عبادتیں ہیں جن میں ربطِ محکم پایا جاتا ہے، نماز میں بندہ اپنے رب کے حضور اپنی عاجزی اور نیازمندی، فدائیت اور عبدیت کا اظہار کرتا ہے، لیکن حج میں بندۂ مومن اپنے حاکم اعلیٰ کے سامنے اپنی محویت، ربودگی اور جاں سپاری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ خالق حقیقی کے حضور محویت اور جاں سپاری کا نذرانہ پیش کیے بغیر بندۂ مومن کی عاجزی اور نیازمندی کا مکمل اظہار نہیں ہوتا۔

بیت اللہ چوں کہ اسلام کا مرکز اصلی ہے، اس لیے اس کی زیارت کیے بغیر اللہ تعالیٰ کے جمال و جلال اور قدرت کاملہ کا اندازہ لگانا مشکل ہے، لہٰذا فرائض نماز پر مواظبت کے ساتھ ہر راسخ العقیدہ مسلمان پر خانۂ کعبہ تک پہنچنے کے لیے وسائل کا اختیار کرنا ضروری ہے، تاکہ وہ مکہ مکرمہ پہنچ کر خانۂ کعبہ کے گرد اپنی جاں سپاری اور محویت کا نذرانہ پیش کرکے اپنی نیازمندی، عاجزی اور عبدیت کا مظاہرہ کرسکے، کیوں کہ بلاحجاب، عین کعبہ کی طرف رخ کرکے نماز ادا کرنے میں جو سرور و نیازمندی اور نشاطِ محویت حاصل ہوتی ہے، وہ انبساطِ خود سپردگی خانہ کعبہ سے دور رہ کر اس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتی، کیوں کہ یہ بات معلوم ہے کہ خانۂ کعبہ کی طرف رخ کرکے نماز ادا کرنا شرائط نماز میں داخل ہے۔

وہ ذات گرامی ﷺ جس کے فیضان سے اللہ تعالیٰ کی بے انتہا قدرت، ربوبیت اور اس کی صفات کی عظمت کا عرفان حاصل ہوتا ہے، اس کے دیار قدس اور اس کے روضۂ اطہر کی زیارت کرنا اور مسجد نبوی میں مسلسل چالیس اوقات کی نمازیں ادا کرنا بھی زندگی کا مقصد عظیم ہے، اس لیے مدینہ منورہ کی زیارت کے لیے سعی بلیغ کی جانی چاہیے۔

راقم ناچیز کو عرصۂ دراز سے حج اور زیارت حرمین شریفین کی زیارت کا شوق، دل میں موج زن رہتا تھا، لیکن حالات ایسے تھے کہ دور دور تک تکمیل تمنا کی صورت دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے، اس نے ۲۰۱۲ء میں وسائل پیدا کردیئے، ناچیز اتنی رقم کا مالک ہوگیا جس پر حج فرض ہوجاتا ہے، چناں چہ میں نے پاسپورٹ کے لیے درخواست دے دی، ضابطے کی تکمیل کے بعد پاسپورٹ آگیا۔ حج کا فارم بھی پُر کردیا، لیکن بہ وجوہ حج کی رقم جمع نہیں کرسکا، اس کے بعد ہر سال حج کے لیے فارم پُر کرتا اور کوئی نہ کوئی رکاوٹ پیش آجاتی، لیکن میری شریک حیات اور مخلص احباب برابر حج کے لیے ترغیب دیتے رہے، چناں چہ ان کے مسلسل توجہ دلانے پر میں نے حج کا عزم مصمم کرلیا اور ''دیار حبیب کا شوق سفر'' کے عنوان سے یہ نظم لکھی:

دیارِ قدس کا عزمِ سفر ہے ❁ مگر یہ مرحلہ دشوار تر ہے
اسی جانب نگاہیں اٹھ رہی ہیں ❁ حریمِ حسن کا جلوہ جدھر ہے
بسا ہے گنبدِ خضرا نظر میں ❁ نگاہِ شوق بے تاب نظر ہے

دلِ محزوں ہے شیدا اے مدینہ ❁ مگر منزل رسی سے بے خبر ہے
کوئی غم خوار ہے اپنا نہ ہم دم ❁ ضعیفی ہے، نظر کم زور تر ہے
نہ مال و زر نہ طاقت ہے نہ ہمت ❁ نہالِ زندگانی بے ثمر ہے
مریضِ ناتواں ہوں، ساتھیوں سے ❁ بہ ہر لمحہ بچھڑ جانے کا ڈر ہے
ابھی حالات بھی ہیں نامساعد ❁ نظامِ امن عالم منتشر ہے
جہاں میں ہر طرف شورش ہے برپا ❁ حرم کی سرزمیں بھی پُرخطر ہے
عجب اسلام کی دنیا ہے بے بس ❁ مسلسل کشمکش در خیر و شر ہے

مگر پھر بھی وہاں پہنچوں گا وارثؔ
کہ دل میں الفتِ خیر البشرؐ ہے

یہ نظم معارف مئی ۲۰۱۷ء کے شمارے میں شائع ہوئی تو اربابِ فکر ونظر میں بہ طور خاص مولانا محمد عمیر الصدیق ندوی شریک مدیر معارف اعظم گڑھ، ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی علی گڑھ اور جناب راجوں خاں صاحب (بیگوسرائے) نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ہمت دلائی کہ جب حج کا ارادہ کرلیا ہے تو ان شاء اللہ یہ مرحلہ آسان ہوجائے گا اور کثرت سے آب زم زم پینے سے بہت سے امراض سے نجات بھی مل جائے گی۔

ان تینوں دانش وروں کے علاوہ میرے مخلص ترین احباب اور عزیزوں میں جناب مولانا محمد ادریس ندوی، مولانا مفتی بدیع الزماں قاسمی، عزیزم مولانا شوکت امام، برادرم مولانا محمد سمیع الدین قاسمی مرحوم، جناب حاجی فہیم الدین اور عزیزی محمد منصور (دکاندار) وغیرہم، اصرار کے ساتھ مسلسل حج کی ترغیب اور تشویق کے ساتھ دعائیں دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مخلص کی ترغیب و دعا کے صدقے، میرے ارادے میں استحکام بخشا، میں نے رختِ سفر باندھا اور حج کے لیے روانہ ہوگیا۔

مذکورہ دانش وروں، احباب اور عزیزوں کی دعاؤں اور ہمت افزائی کا نتیجہ تھا اور کچھ نہ کچھ میرے عزم محکم کا دخل بھی کہ مجھے حج کی سعادت نصیب ہوگئی، ورنہ میں تو مسلسل علالت، نامساعد حالات اور دوری منزل کے احساس کے پیشِ نظر ہمت ہار چکا تھا، اگر آدمی عزم محکم اور بلند ہمت سے کام لے تو مشکل مراحل بھی آسان ہوجاتے ہیں۔ حضرت اصغر گونڈوی مرحوم (۱۸۸۴ء-۱۹۳۶ء) نے بجا فرمایا:

جستجو ہے زندگی، ذوقِ طلب ہے زندگی
زندگی کا لطف لیکن دوریِ منزل میں ہے

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

اکتیسواں فقہی سمینار

منعقدہ: ۱۰ تا ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ مطابق ۵-۷ نومبر ۲۰۲۲ء

اسلامک فقہ اکیڈمی ہند کا برھان پور (مدھ پردیش) میں اکتیسواں فقہی سمینار ہوا. اس کی تجاویز اکیڈمی نے اشاعت کے لئے یہاں بھیجی ہیں. وہ شائع کی جارہی ہیں۔۔۔(ادارہ)

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا ۳۱واں فقہی سمینار ریاست مدھیہ پردیش کے تاریخی، تہذیبی اور علمی شہر برہانپور کے مشہور ومعروف ادارہ ''دارالعلوم شیخ علی متقی'' میں مورخہ ۵ تا ۷ نومبر ۲۰۲۲ء کو منعقد ہوا، جس میں ہندوستان کے مختلف صوبوں سے تقریباً تین سو علماء، ارباب افتاء، علمی شخصیات اور دانشوران نے شرکت فرمائی۔ اس سہ روزہ سمینار میں چار اہم موضوعات زیر بحث آئے، ان پر بحث وتحقیق اور مناقشہ کے بعد جو تجاویز منظور ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں:

جمعہ کے لیے مصر ہونے کی شرط-موجودہ حالات کے پس منظر میں

نماز جمعہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان جیسے ملک میں دوسری نمازوں میں غفلت برتنے والے مسلمان بھی عام طور پر نماز جمعہ کا اہتمام کرتے ہیں اور بیشتر مسجدوں میں خطبہ جمعہ سے پہلے مقامی زبانوں میں دینی واصلاحی باتیں کہی جاتی ہیں، جن سے لوگوں کو بہت نفع ہوتا ہے۔

اس پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے اکتیسواں فقہی سمینار منعقدہ برہانپور میں مندرجہ ذیل فیصلے کیے گئے:

(۱) جس آبادی میں بنیادی ضروریات جیسے اشیاء خورد ونوش وغیرہ مل جاتی ہوں، وہاں جمعہ قائم کرنا درست ہے۔

(۲) ایسی چھوٹی آبادی جہاں بنیادی ضرورتیں بھی مقامی طور پر نہیں مل پاتی ہوں، وہاں جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے۔

(۳) البتہ جہاں پہلے سے جمعہ ہوتا آرہا ہو، وہاں جمعہ کو نہیں روکا جائے۔

(۴) موجودہ حالات میں مسلمانوں کو دین سے دور کرنے اور مرتد بنانے کی سازشیں کی جارہی ہیں، اس صورت حال کا مقابلہ کرنے میں جمعہ کا قیام مفید ومؤثر ہوسکتا ہے، اس لیے جہاں بھی مسلمانوں کو فتنۂ ارتداد سے بچانے کے لیے جمعہ قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی جائے؛ خواہ وہ چھوٹا گاؤں ہی کیوں نہ ہو، وہاں معتبر علماء کی اجازت سے جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

نکاح مسیار کی شرعی حیثیت

(۱) شریعت اسلامی میں شوہر و بیوی کا تعلق ایک مقدس رشتہ ہے جو نکاح کے ذریعہ ہی وجود میں آتا ہے، اس لیے لیوان ریلیشن شپ (Live in Relationship) یعنی بغیر نکاح کے آپسی رضامندی سے دو مرد وعورت کا شوہر و بیوی کی طرح ایک ساتھ رہنا حرام ہے اور ہر مسلمان مرد وعورت کے لیے اس سے احتراز لازم ہے۔

(۲) ایک مقررہ مدت کے لیے نکاح کرنا خواہ اس طرح مدت متعین کرے کہ میں دو سال کے لیے نکاح کرتا ہوں یا اس طرح کہ جب تک میں اس شہر میں رہوں گا، اس وقت تک کے لیے نکاح کرتا ہوں، ناجائز اور باطل ہے۔

(۳) نکاح اسلام کی نظر میں ایک دائمی رشتہ ہے، اس لیے نکاح اسی نیت سے کرنا چاہیے کہ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کے لیے میاں بیوی بن کر زندگی گزاریں گے۔

(۴) اگر کوئی شخص نکاح کے ارکان کو انجام دے یعنی گواہان کے سامنے ایجاب وقبول کرلے اور دل میں یہ بات چھپائے ہوئے ہو کہ وہ کچھ عرصہ بعد اس رشتہ کو ختم کردے گا تو یہ سخت گناہ اور اسلامی تعلیمات اور شریعت نے نکاح کا جو مقصد متعین کیا ہے، اس کی روح کے خلاف ہے؛ لیکن چوں کہ دونوں نے آپسی رضامندی سے ایجاب وقبول کیا ہے، اس لیے نکاح ہوجائے گا اور مرد کی ذمہ داری ہے کہ اس نکاح کو آخر وقت تک قائم رکھنے کی کوشش کرے۔

(۵) اگر کوئی عورت اپنی خوشی سے نکاح کرے اور نکاح کی بنا پر شوہر پر اس کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں، ان کو معاف کردے تو چوں کہ عورت اپنی ذات اور اپنے حقوق کے بارے میں خود مختار ہے، اس لیے اس کا معاف کرنا معتبر ہوگا؛ البتہ اگر بعد میں کسی وجہ سے بیوی اس شوہر سے اپنے ان حقوق کا مطالبہ کرنا چاہے تو اس کو اس کا حق ہوگا اور مطالبہ کے وقت شوہر ان حقوق کو ادا کرنے کا پابند ہوگا۔

دارالقضاء کی بعض کارروائیوں میں آن لائن طریقۂ کار سے استفادہ

(۱) عام حالات میں دعویٰ، رفع الزام اور اداء شہادت کے لیے مجلس قضاء میں حاضر ہونا ضروری ہے؛ البتہ اگر طویل عرصہ کے لیے کورونا اور اس جیسے سنگین حالات پیدا ہوجائیں جب کہ مجلس قضاء میں حاضر ہونا ممکن نہ ہو تو قاضی اپنا نائب بنا کر مقدمہ کی کارروائی کرے اور اگر وکیل یا نائب کے ذریعہ بھی کارروائی انجام دینا ممکن نہ ہو تو کار قضاء کی اصل روح قیام

عدل، احیاء حقوق، رفع ظلم اور دفع نزاع کی اہمیت کے پیش نظر قاضی مقرر کرنے والی ذمہ دار شخصیت یا ادارہ کی اجازت سے آن لائن کارروائی کی جاسکتی ہے؛ مگر اس کے لیے ضروری ہوگا کہ ایسی تمام تکنیکی اور احتیاطی تدابیر کرلی جائیں کہ تلبیس کا اندیشہ باقی نہیں رہے، ایسی صورت میں آن لائن فریقین اور شاہدین وغیرہ کی شناخت بھی درست ہوگی۔

(۲) حقیت (زمین و جائداد) کے معاملات میں چوں کہ آن لائن معائنہ سے حقیقت تک رسائی نہیں ہوسکتی ہے، اس لیے ان مقدمات کی کارروائی آن لائن درست نہیں ہوگی، ان مقدمات کو مؤخر رکھا جائے گا۔

(۳) فریقین کو آن لائن اطلاعات بھیجنے کی صورت مین اگر ان حالات کے درست ہونے کا ظن غالب ہوجائے اور ریکارڈ محفوظ رکھا جاسکتا ہو، بوقت ضرورت اس کو پیش کرنے پر قدرت ہو، تو آن لائن اطلاعات بھیجنے کی گنجائش ہوگی؛ البتہ محفوظ صورت پوسٹل نظام ہی ہے جس پر اب تک عمل ہوتا آرہا ہے۔

(۴) چوں کہ آڈیو کالنگ میں اشتباہ زیادہ ہے، اس لیے اس کے ذریعہ کارروائی کرنا درست نہیں ہے۔

ورچول کرنسی سے متعلق شرعی احکام

ورچول کرنسی تبادلہ مال کی ایک نئی صورت ہے، جس کا حسی وجود نہیں ہوتا ہے، اس لحاظ سے وہ ثمن خلقی (سونا چاندی) اور مروجہ ثمن اصطلاحی (کاغذی کرنسی) سے مختلف ہے، ابھی اس کرنسی کی تکنیکی تفصیلات اور قانونی حیثیت پوری طرح واضح نہیں ہوسکی ہے، اس لیے ورچول کرنسی کے شرعی احکام سے متعلق موضوع کو ملتوی کیا جاتا ہے اور اکیڈمی سے گزارش کی جاتی ہے کہ وہ اس پر غور کرنے کے لیے ماہرین اور فقہاء کی ایک کمیٹی بنائے اور مزید تفصیلات فراہم ہونے کے بعد اس بارے میں فیصلہ کیا جائے۔

اپیل بابت

مسلمان زیادہ سے زیادہ اسلامی اسکول اور بالخصوص لڑکیوں کے لیے جداگانہ تعلیمی ادارے قائم کریں،

اکیڈمی کے فقہی سمینار میں ملک بھر کے علماء اور اصحاب فکر کی اپیل

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے ۳۱واں فقہی سمینار منعقدہ ۵ - ۷ رنومبر ۲۰۲۲ء دارالعلوم شیخ علی متقی برہانپور مدھیہ پردیش میں پورے ملک کے منتخب علماء و ارباب افتاء جمع ہوئے اور انہوں نے متعدد جدید شرعی مسائل پر فیصلے کئے، اس موقع سے ملت اسلامیہ ہند کے نام ایک مشترکہ اپیل جاری کی گئی کہ اس وقت ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت کا جو ماحول پیدا کیا جارہا ہے، مسلمانوں کو ان کی مذہبی شناخت سے محروم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، یہاں تک کہ تعلیمی اداروں میں سیکولر کردار کو ختم کرکے زعفرانی فکر مسلط کی جارہی ہے، بالخصوص نئی ایجوکیشن پالیسی اس طرح مرتب کی گئی ہے کہ ملک

سیکولر کے بجائے ہندتو کے راستہ پر چل پڑے، مسلمان لڑکیوں کو حجاب کے حق سے محروم کیا جارہا ہے، اس پس منظر میں مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلامی ماحول کے ساتھ زیادہ سے زیادہ عصری تعلیمی ادارے قائم کریں اور گرلز اسکول کے قیام پر خصوصی توجہ دیں؛ تاکہ لڑکیاں محفوظ ماحول میں تعلیم حاصل کرسکیں اور مسلمان بچے اپنی شناخت کے ساتھ تعلیم کے میدان میں آگے بڑھیں۔ علماء، مدارس، مذہبی شخصیتوں اور مذہبی جماعتوں کو اس پر خصوصیت کے ساتھ توجہ دینے کی ضرورت ہے؛ تاکہ جو ادارے قائم ہوں، ان میں دینی روح باقی رہے اور وہ خالصتاً کمرشیل انداز میں کام کرنے کے بجائے دینی اور ملی جذبہ کے ساتھ خدمت انجام دیں۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

شرح اشتہار

سہ ماہی مجلہ المجیب

دنیائے صحافت کا مقبول عام سہ ماہی مجلہ "المجیب" خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ کا ترجمان — ایک دینی، علمی وادبی مجلہ ہے جو کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ملک وبیرون ملک ہر جگہ اس رسالہ کو غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ یہ رسالہ علماء، ادباء، معلمین ومتعلمین، افسران وعہدہ داران بلکہ ہر خاص وعام کے ذوق مطالعہ میں رہتا ہے — اور ہر طبقہ وجماعت کے لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

لہٰذا باذوق تاجرین اور تنظیم وتحریک کے مالکان سے پرخلوص گذارش ہے کہ اس مقبول ترین رسالہ میں اپنا اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں — اور اپنے نام وپتہ کے ساتھ پیشگی رقم ارسال فرمائیں۔ اشتہارات کی تفصیل حسب ذیل ہے :

ملٹی کلر اشتہار

پشت سرورق	مکمل صفحہ	5,000/-	نصف صفحہ	2,500/-	چوتھائی صفحہ	1,250/-
اندرون سرورق	مکمل صفحہ	4,000/-	نصف صفحہ	2,000/-	چوتھائی صفحہ	1,000/-

سادہ اشتہار

اندرون مجلہ	مکمل صفحہ	3,000/-	نصف صفحہ	1,500/-	چوتھائی صفحہ	750/-

خواہش مند حضرات اپنے اشتہارات کے ساتھ پیشگی رقم کا چیک یا ڈرافٹ ادارہ کو پہلی فرصت میں مرحمت فرمائیں تاکہ ان کے آرڈر کو حتمی شکل دی جاسکے۔ چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ رقم ارسال کرتے وقت صرف "DARULESHA'AT" تحریر کریں۔

کتاب کا نام	: الاحادیث القرآنیہ	مرتب	: سید لطف اللہ قادری
صفحات	: ۲۲۰	سن اشاعت	: ۲۰۲۳ء
قیمت	: ۳۵۰/روپئے	تبصرہ نگار	: بدر احمد مجیبی
ناشر	: الحسنات بکس پرائیوٹ لمیٹڈ، سرسید احمد روڈ دریا گنج نئی دہلی		

احادیث کے ذخیرہ میں کچھ ایسی احادیث بھی ملتی ہیں جن میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات ارشاد فرمائی ہے اور اس کی تائید و دلیل میں قرآن کریم کی کوئی آیت پیش فرمادی ہے۔ حدیث کی ایک خدمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ایسی تمام احادیث کو ترجمہ وتشریح کے ساتھ ایک کتاب میں جمع کردیا جائے۔

مشہور عالم ومصنف مولانا سید احمد عروج قادری علیہ الرحمۃ ایک دیدہ ور صاحب قلم تھے، فقہ پر ان کی گہری نظر تھی، احادیث سے بھی ان کو گہرا ربط تھا۔ اپنی زندگی میں ان کی خواہش تھی کہ ایسی تمام احادیث کو کتب احادیث کے ذخیرہ سے نکال کر یکجا کتابی صورت میں جمع کردیا جائے جن میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد کی دلیل وسند میں قرآن کریم کی کوئی آیت پیش فرمائی ہے۔ ماہنامہ زندگی نو ان کی ادارت میں نکلتا تھا۔ اس کے ایک شمارہ (جون ۱۹۸۶ء) میں انہوں نے اس سلسلے میں کام شروع کیا تھا اور ایک حدیث بعنوان ''صراط مستقیم کی تفہیم'' پیش کی تھی۔ وہ تحریر کرتے ہیں۔

''محدثین نے احادیث قدسیہ کے مجموعے مرتب کئے ہیں۔ اس حقیر نے ایسی بہت سی حدیثیں پڑھی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد کی سند اور حوالے کے طور پر قرآن کریم کی کوئی آیت تلاوت فرمائی ہے۔ الاحادیث القدسیہ کے مجموعے پڑھ کر یہ خیال عرصہ دراز سے آتا رہا کہ ان احادیث کا مجموعہ بھی مرتب ہوجائے جن میں قرآن کریم کی کوئی آیت تلاوت کی گئی ہو تو یہ ایک اچھی خدمت ہوگی۔ ایسی احادیث کو ''الاحادیث القرآنیہ'' کہا جاسکتا ہے، یعنی وہ احادیث جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی آیت تلاوت فرمائی ہو..... میں نہیں جانتا کہ ایسی کتنی حدیثیں

پیش کرنے کا مجھے موقع ملے گا۔ بہر حال اگر میرا یہ خیال پسندیدہ سمجھا گیا تو کوئی نہ کوئی اللہ کا بندہ اس کام کو مکمل کر دے گا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے۔''

لیکن اس شمارہ کے منظر عام پر آنے سے پہلے ہی ان کی وفات ہوگئی۔ اس لئے ایک حدیث کے بعد یہ کام رک گیا۔ بعد میں ان کی خواہش کی تکمیل کے لئے ان کے ذی علم صاحبزادے مولانا سید لطف اللہ قادری نے اپنی محنت و کوشش سے حدیث کی اس خدمت کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے اور اس کا نام الاحادیث القرآنیہ (منتخب احادیث جن میں قرآن کی آیت تلاوت کی گئی ہو) رکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کام میں ان کا کافی وقت صرف ہوا ہوگا۔ کتب احادیث سے ایسی احادیث تلاش کرنا جن میں ارشاد نبوی کی تائید میں قرآن کی کوئی آیت پیش کی گئی ہو بہت آسان نہیں ہے۔ ایسی احادیث کو یکجا کرنا اور ان کا ترجمہ اور مختصر تشریح کرنا پھر ان سب کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کرنا محنت طلب کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سید لطف اللہ قادری صاحب اس مرحلہ میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ وہ تحریر کرتے ہیں۔

''صحاح ستہ سے احادیث قرآنیہ جمع کرنے کا کام شروع کیا۔ ان احادیث قرآنیہ میں وہ احادیث جمع کی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی کسی آیت کا حوالہ دیا ہے۔ اس کے علاوہ وہ احادیث بھی لی گئی ہیں جن میں صحابی نے روایت بیان کرنے کے بعد کوئی آیت تلاوت کی ہے۔ اللہ کی مدد سے جتنی احادیث جمع ہوسکی ہیں وہ پیش خدمت ہیں۔ میں دعوی نہیں کرسکتا کہ سب آ گئیں، ابھی ذخیرہ احادیث میں بے شمار ایسی احادیث ہوں گی جن تک میری رسائی نہیں ہوسکی ہے۔ ایک خیال یہ بھی تھا کہ مجموعہ مختصر ہو تا کہ لوگوں تک پہنچ سکے۔''

مصنف نے ۸۹؍احادیث قرآنیہ کو ترجمہ و تشریح کے ساتھ اس کتاب میں جمع کیا ہے۔ شروع میں بیس صفحات پر مشتمل ''علم حدیث کا مختصر تعارف'' کے نام سے ایک اچھا معلوماتی مضمون ہے۔ جس میں عام فہم انداز میں حدیث کا تعارف ہے۔ نیز حدیث کی اہمیت، حدیث کی حجیت، حدیث کی قسمیں، صحاح ستہ کا تعارف، اکابر محدثین اور دیگر مشہور کتب احادیث کا تذکرہ ہے۔ عام لوگوں کے لئے یہ بہت کام کی چیز ہے۔

کتاب میں سے ایک حدیث قرآنی بطور نمونہ پیش ہے۔ عنوان ہے: نیک لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا انعام۔ حدیث (۲۹)

عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: قال اللہ: اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رأت، ولا اذن سمعت، ولا خطر علی قلب بشر، فاقرأوا ان شئتم: فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین۔ (السجدۃ۔ ۱۶،۱۷۔ صحیح البخاری حدیث نمبر ۳۲۴۴)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کی ہیں جسے نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کبھی کسی کان نے سنا، نہ کوئی

انسان کبھی اس کا تصور کرسکا۔ اگر تم چاہو تو قرآن کی آیت تلاوت کرلو ’’پھر جیسا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ان کے اعمال کی جزا میں ان کے لئے چھپا کر رکھا گیا ہے اس کی کسی متنفس کو خبر نہیں ہے۔‘‘

مختصر تشریح : مسلم، ترمذی اور مسند احمد میں متعدد طریقوں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت نقل کی گئی ہے، یہی مضمون تھوڑے لفظی فرق کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت سہل بن سعد ساعدی نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ جسے مسلم، احمد، ابن جریر اور ترمذی نے صحیح سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے۔۔۔ (تفہیم القرآن جلد ۴)

یہ حدیث قدسی ہے کیونکہ اس میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے۔ جب اس طرح روایت بیان کی جاتی ہے تو وہ حدیث قدسی ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے جنت میں اپنے فرمانبردار اور نیکو کار بندوں کے لئے جو نعمتیں اور سامان راحت وسکون فراہم کر رکھا ہے ان کا دنیا کی زندگی میں کوئی تصور نہیں کرسکتا۔۔۔ (ص ۹۶، ۹۷)

یہ کتاب عام لوگوں کے لئے مفید اور معلوماتی ہے۔ اس کی عام اشاعت ہونی چاہئے۔ کتاب کی کمپوزنگ اور طباعت بھی معیاری اور عمدہ ہے۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

اپیل

مضمون نگاروں سے اپیل ہے کہ ’’المجیب‘‘ میں اشاعت کے لئے مسودہ کی اصل کاپی بھیجیں۔ عکسی کاپی ناقابل اشاعت ہوگی۔

منیجر

سہ ماہی ’’المجیب‘‘ پھلواری شریف، پٹنہ

قند پارسی

● حضرت مولانا حافظ شاہ شہاب الدین ثاقبؔ قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ

چوں نباشد ہمہ دم بارشِ رحمت بسرم ❁ سایۂ دامن او ظلِ غمام است مرا
گفت او غم مخور اے بندۂ من حلقہ بگوش ❁ بر غلامی تو چوں سکہ ز نام است مرا
لاف مہرش زدہ ام سحر و فسوں چوں بکنم ❁ کرم اوست خود آمادۂ رام است مرا
زلف و خال و خط و عارض ہمہ سامانِ خطر ❁ فتنہ بر فتنہ برایں دانہ و دام است مرا
او بہر خواب مرا گر شرف جلوہ دہد ❁ تا دم مرگ شب و روز منام است مرا
پیکر مظہر آں ذات و صفات است بدل ❁ باادب دل کہ چہ خوش وجہ قیام است مرا
کارہائے دل مسکین من افتاد ہنوز ❁ حل صد عقدہ ز دست تو بکام است مرا
سازگاریست کہ زیر نگہ اوست دلم ❁ عکس در آئینہ ام آخر ز کدام است مرا
حب و عشق است کز و سوز و گداز است کہ دل ❁ انچہ می گوید ازاں حسن کلام است مرا
نعمتی بود معین از سرِ مضمونِ غزل ❁ زاں نباتِ سخنم داد کلام است مرا
من ازاں یافتہ ام چشمۂ نعمت ثاقبؔ ❁ کاں بہر کار معین ست و امام ست مرا

کس چو پرسید ز او نسبت ثاقبؔ گفتا
از ازل بندۂ من ہست و غلام است مرا

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

نعت شریف

● محمد آیت اللہ قادری پھلواروی

یہ بھی ہے سچ کہ گرمیٔ محشر ہے سامنے ❁ یہ بھی ہے سچ کہ دامنِ سرور ہے سامنے
اعظم ہے عرش گرچہ مگر قدسیو! سنو ❁ اک آستاں بھی عرش سے برتر ہے سامنے
دونوں جہاں کی رونقیں بے رنگ و نور ہیں ❁ جس کی نظر میں گنبدِ اخضر ہے سامنے
شغل درودِ پاک میرے کام آ گیا ❁ جب دیکھئے مدینے کا منظر ہے سامنے
جلوہ رخِ نبی کا خدا! بخش دے مجھے ❁ ہر ماہ جیسے زلف پیمبرؐ ہے سامنے
توصیف کیا کرے کوئی میرے حضورؐ کی ❁ جب بے قیم حسن کا جوہر ہے سامنے
کس کو سنائیں تیرے سوا داستانِ غم ❁ فریاد کے لیے دلِ مضطر ہے سامنے
مہمیز اس خیال سے ذوقِ سفر ہوا ❁ جب یہ لگا کہ روضۂ انور ہے سامنے

بہر مجیب و وارث و خواجہ عماد دیں
نظر کرم ہو آیتؔ کمتر ہے سامنے

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

نعت شریف

- مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ
- ترجمۂ منظوم : مولانا محمد عاصم قادری ـــ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

نعت شریف	ترجمۂ منظوم (نعت شریف)
ز مہجوری برآمد جان عالم	ترے بن جاں بلب ہے جان عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم	ترحم یا نبی اللہ ترحم
تو آخر رحمۃ للعالمینی	تم آخر رحمۃ للعالمیں ہو
ز محرومان چرا فارغ نشینی	یوں محروموں سے کیوں فارغ نشیں ہو
ز خاک ای لالۂ سیراب برخیز	زمیں سے لالۂ سیراب اٹھیے
چو نرگس خواب چند از خواب برخیز	نگہ نرگس سی اب بے خواب کرئیے
برون آور سر از برد یمانی	ہٹائیں سر سے اب بردِ یمانی
کہ روی تست صبح زندگانی	کہ رو ہے تیرا صبحِ زندگانی
شب اندوہ ما را روز گردان	ہمارے غم کی راتیں دور کردیں
ز رویت روز ما فیروز گردان	اور اپنے رخ سے دن پرنور کردیں
بہ تن در پوش عنبر بوی جامہ	پہن لیں تن پہ عنبر بوئے جامہ
بہ سر بربند کافوری عمامہ	لپیٹیں سر پہ کافوری عمامہ

فرود آویز از سر گیسوان را
وہ زلفِ عنبریں سر سے گرادیں

فگن سایہ بہ پا سرو روان را
کہ سایہ تیرے قدموں پہ وہ ڈالیں

ادیم طائفی نعلین پا کن
ادیم طائفی نعلین پہنیں

شراک از رشتۂ جانہای ما کن
ہماری جاں کا تسمہ اس میں سی دیں

جہانی دیدہ کردہ فرش راہند
اک عالم دیدہ، فرِش رہ بنا کر

چو فرش اقبال پابوس تو خواہند
ہے پابوسی کا خواہاں وہ سراسر

ز حجرہ پای در صحن حرم نہ
رکھیں حجرہ سے پا صحنِ حرم میں

بہ فرق خاک رہ بوسان قدم نہ
دیں موقع خاک بوسوں کو قدم میں

بدہ دستی ز پا افتادگان را
کریں امداد اب، ہم عاجزوں کی

بکن دل داریٔ دلدادگان را
کریں دل داری مخلص عاشقوں کی

اگر چہ غرق دریای گناہیم
ہیں گرچہ غرق دریائے گنہ میں

فتادہ خشک لب بر خاک راہیم
پڑے ہیں خشک لب ہم خاک رہ میں

تو ابر رحمتی آن بہ کہ گاہی
تو ہے وہ ابر رحمت جو کہ برسے

کنی بر حال لب خشکان نگاہی
پیاسوں کا کبھی تو حال پوچھے

خوش آن کز گرد رہ سویت رسیدیم
میں تجھ تک گرد رہ سے راہ پاتا

بہ دیدہ گردی از کویت کشیدیم
بجائے سرمہ خاکِ کو لگاتا

بہ مسجد سجدۂ شکرانہ کردیم
بمسجد سجدۂ شکرانہ کرتے

چراغت را ز جان پروانہ کردیم
تری شمعوں سے جاں پروانہ کرتے

بہ گرد روضہ ات گشتیم گستاخ
ترے روضہ پہ پھرتے ہم بھی خوش باش

دلی چون پنجرۂ سوراخ سوراخ
وفورِ شوق سے ہو جا تا دل پاش

زدیم از اشک ابر چشم بی خواب
حریم آستان روضہ ات آب

گہی رفتیم ازان ساحت غباری
گہی چیدیم از و خاشاک و خاری

ازان نور سواد دیدہ دادیم
وزاین بر ریش دل مرہم نہادیم

بہ سوی منبرت رہ بر گرفتیم
ز چہرہ پایہ اش در زر گرفتیم

ز محرابت بہ سجدہ کام جستیم
قدمگاہت بہ خون دیدہ شستیم

بہ پای ہر ستون قد راست کردیم
مقام راستان درخواست کردیم

ز داغ آرزویت با دل خوش
زدیم از دل بہ ہر قندیل آتش

کنون گرتن نہ خاک آن حریم است
بحمد اللہ کہ جان آنجا مقیم است

بہ خود درماندہ ایم از نفس خود رای
ببین درماندہ چندین بہ بخشای

اگر نبود چو لطفت دستیاری
ز دست ما نیاید ہیچ کاری

بہاتے اشک ابرِ چشم بے خواب
درِ روضہ پہ تیرے، جیسے ہو آب

کبھی جا کر اٹھاتے اس کی ہم خاک
کبھی چنتے وہاں ہم گرد و خاشاک

مہیا نور آنکھ ہم اس سے کرتے
دلِ زخمی کا مرہم اس سے کرتے

ترے منبر کی جانب ہم یوں آتے
کہ چہرہ اس کے پاسے زر بناتے

مرادیں تیری محرابوں میں لیتے
بخونِ دل قدم گاہوں کو دھوتے

ستوں کے پاس قد کو راست کرتے
مقام صدق کی درخواست کرتے

یوں داغ آرزو سے بادلِ خوش
لگاتے ہم بہ ہر قندیل آتش

اگرچہ تن مرا اس جا نہیں ہے
بحمد اللہ کہ جاں میری وہیں ہے

ہیں اپنے نفس سے بے حد پریشاں
نظر بخشش کی ہم پر ہوائے ذی شاں

نہ ہوں الطاف تیرے گر مددگار
نہ ہو ہاتھوں ہمارے پھر کوئی کار

قضا می افگند از راہ ما را
خدا را از خدا درخواہ ما را
کہ بخشد از یقین اول حیاتی
دہد آنگہ بہ کار دین ثباتی
چو ہول روز رستاخیز خیزد
بہ آتش آب روی ما نریزد
کند با این ہمہ گمراہی ما
تو را اذن شفاعت خواہی ما
چو چوگان سرفگندہ آوری روی
بہ میدان شفاعت امتی گوی
بہ حسن اہتمامت کار جامیؔ
طفیل دیگران یابد تمامی

قضا بھٹکا رہی ہے راہ حق سے
خدارا! ہوں شفاعت خواہ حق سے
خدا اول حیاتِ پُر یقیں دے
ہمیں وہ پھر ثباتِ کار دیں دے
بپا ہو حشر سامانی وہ جس روز
نہ ہو آتش میں میری آبرو سوز
ہماری گمرہی کے بعد بھی ہو
تمھیں اذنِ شفاعت، اس گھڑی ہو
بمیدانِ شفاعت سر جھکاتے
صدائے امتی آئیں لگاتے
بہ حسنِ سعی تیرے، کار جامیؔ
طفیل دیگراں ہوئے تمامی

* * * * * * * * * *

نعت شریف

● جناب ڈاکٹر سید شاہ شمیم احمد گوہر مصباحی — سجادہ نشیں خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ چک الہ آباد

یاد سرکار کی آتے ہی یہ مری آنکھ تر ہوگئی ۞ اے صبا تم نہ زحمت کرو مصطفیٰ کو خبر ہوگئی
معجزے سارے قربان ہیں نورِ الہام والقافدا ۞ مغفرت اس کی قسمت میں ہے جس پہ شہہ کی نظر ہوگئی
پاس آداب حُسن کرم ایک لمحہ نہ بچھڑا کبھی ۞ زندگی وقفِ الفت مری کس قدر خوبتر ہوگئی
کوئی بھی میرا حسنِ عمل رنگ لایا نہیں کچھ یہاں ۞ ہو خطا کوئی سرزد اگر چاروں جانب خبر ہوگئی
دل میں خوفِ خدا ہر گھڑی ہاتھ میں دامن شاہ بھی ۞ راہِ حق میں مری زندگی ماشاء اللہ بسر ہوگئی
بن گئی سوئی مثل قمر معجزہ یہ بھی سرکار کا ۞ خندہ شاہ کے نور سے تیرگی بھی سحر ہوگئی
بام و در جگمگاتے رہے ہر طرف شمعیں جلتی رہیں ۞ ذکرِ آقا ہوا ساری شب پھر سہانی سحر ہوگئی

صدقۂ عشق کی روشنی کچھ تو گوہرؔ کے سینے میں ہے
معصیت کا خیال آتے ہی خود بخود آنکھ تر ہوگئی

۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞

کوائف وحالات

● ادارہ

راز و نیاز بلبل وگل ہم سے پوچھئے ❖ نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم
کچھ اپنی..... کچھ دوسروں کی

ترکی اور شام میں تباہ کن زلزلے:

۶ر فروری ۲۰۲۳ء کو ایک عظیم زلزلہ سے زمین تھرا اٹھی، ہر طرف چیخ و پکار اور آہ و بکاء کا شور مچ گیا۔ اس زلزلے نے دنیا کے متعدد ممالک کو متاثر کیا۔ سب سے زیادہ ترکی اور شام متاثر ہوئے۔ ۷۵ سکنڈ کے ۸ء۷ کی شدت کے اس زلزلے نے ایسی تباہی مچائی ہے کہ سینکڑوں فلک بوس عمارتیں ملبہ میں تبدیل ہوگئیں۔ زمینیں جگہ جگہ سے پھٹ گئیں۔ سڑکوں میں بڑے بڑے گڑھے پڑ گئے۔ پوری پوری آبادی کا صفایا ہوگیا۔ ترکی میں تقریباً ۳۵ ہزار افراد اور شام میں تقریباً ۳۰ ہزار افراد جاں بحق ہوئے۔ زخمیوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ ہے۔ بے گھر اور بے سروسامان ہونے والے لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ کتنے خاندان ایسے ہیں جن میں کوئی زندہ نہیں بچا، کتنے خاندان میں ایک دو فرد زندہ بچے، باقی سب ختم ہو گئے۔ ملبوں سے زندہ لوگوں اور لاشوں کو نکالنے کا عمل بھی عرصہ تک جاری رہا۔ مختلف ممالک کی حفاظت و بچاؤ اور راحت رسانی کی ٹیمیں لگی رہی ہیں، ان کے تعاون سے بچاؤ اور راحت کا کام بڑے پیمانے پر ہوا۔

اس قیامت خیز زلزلے نے خصوصی طور سے ترکی کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ ابتدائی سروے سے اربوں ڈالر کے نقصان کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ شام تو پہلے سے ہی تباہ حالی کا شکار تھا، مزید اس کی حالت دگرگوں ہوگئی ہے۔ ترکی کے باہمت صدر جناب رجب طیب اردگان نے تباہ شدہ علاقوں کے دورے کئے، مصیبت زدگان کو حوصلہ دلایا اور انہیں یقین دلایا کہ ہم کسی کو کھلے آسمان کے نیچے نہیں چھوڑیں گے، عالمی دنیا سے امداد و تعاون کی اپیل کی۔ مختلف ممالک اور عالمی بینک سے ان کو تعاون ملنا

شروع ہوگیا ہے۔ مگر یہ سب تعاون ترکی کو پیش آئے عظیم المیہ اور انسانی بحران کی کس حد تک تلافی کر پائے گا یہ قابل غور ہے۔

اللہ تعالی زلزلے میں شہید ہونے والے ہمارے بھائیوں کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے۔ زندہ بچ جانے والے افراد، زخمیوں اور بے سروسامان ہونے والے لوگوں کو صحت وعافیت اور سکون واطمنان عطا فرمائے اور غیب سے ان کے سامان مہیا فرمائے، وہی بیکسوں اور بے سہاروں کا سہارا اور کارساز ہے۔

مولانا عبداللہ عباس ندوی سمینار :

رابطہ ادب اسلامی شاخ بہار کے اہتمام سے سرزمین پھلواری شریف سے تعلق رکھنے والے عظیم اسلامی وادبی اسکالر و مصنف مولانا عبد اللہ عباس ندوی پر ایک شاندار دو روزہ سیمینار ۱۸، ۱۹ فروری ۲۳ء کو منعقد ہوا۔ سیمینار کا عنوان تھا ''مولانا عبداللہ عباس ندوی ادب اسلامی کے ترجمان''۔ المعہد العالی پھلواری شریف کے سیمینار ہال میں اس کا انعقاد ہوا۔ پورے ملک سے اہل علم واہل ادب نے اس میں شرکت کی اور اپنے مقالات پیش کئے۔

افتتاحی نشست مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی کی صدارت میں ہوئی جس میں خطبہ استقبالیہ مولانا بدر احمد مجیبی نے پیش کیا اور تاریخی وعلمی سرزمین پھلواری شریف اور خانقاہ مجیبیہ کے تعارف کے ساتھ تمام شرکائے سیمینار کا استقبال کیا۔ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا پیغام مولانا عبد الباسط ندوی نے پڑھ کر سنایا، حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ کا پیغام مولانا مشہود احمد قادری نے پڑھ کر سنایا۔ کلیدی خطبہ پروفیسر محسن عثمانی ندوی نے پیش کیا جو بہت اہم ہے اور المجیب کے اس شمارہ میں شامل ہے۔ خود صدر مجلس مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی نے بھی اپنا مفصل مقالہ خطبۂ صدارت کی صورت میں پیش کیا۔

پہلی علمی نشست کی صدارت مشہور صاحب علم مولانا شاہ تقی الدین فردوسی ندوی نے کی، اس میں متعدد مقالات پیش کئے گئے، سب سے اہم مقالہ جناب مولانا عمیر الصدیق ندوی مدیر معارف اعظم گڑھ کا تھا۔ دوسری علمی نشست کی صدارت پروفیسر راشد نسیم ندوی (حیدرآباد) نے کی۔ اس میں دس مقالات پیش کئے گئے۔ مقالہ نگاروں میں دہلی، علی گڑھ، لکھنؤ، پٹنہ کے ممتاز اہل قلم تھے۔ تیسری علمی نشست جو دوسرے روز صبح نو بجے منعقد ہوئی اس کی صدارت مولانا عمیر الصدیق ندوی نے کی۔ اس میں بھی تقریباً دس مقالات پیش کئے گئے۔ ڈاکٹر حامد اکرام ندوی جو مولانا عبداللہ عباس ندوی کے رشتے میں پوتے ہوتے ہیں اور ابہا یونیورسیٹی ابہا (سعودی عربیہ) میں استاذ ہیں انہوں نے عربی میں اپنا مقالہ پیش کیا جو کافی پسند کیا گیا۔

چوتھی علمی نشست پروفیسر محسن عثمانی ندوی کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اس نشست میں چھ مقالات پیش کئے گئے۔ اختتامی نشست مولانا بدر احمد مجیبی کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ جس میں متعدد شرکائے سمینار نے اپنے تاثرات پیش کئے، پروفیسر راشد نسیم ندوی نے تجاویز پیش کیں۔

پھلواری شریف کی سرزمین پر اس کامیاب سیمینار کے منتظم کار مولانا طلحہ نعمت ندوی اور پروفیسر راشد نسیم ندوی سب کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ المعہد العالی کے ذمہ داروں نے بھی بہت حسن وخوبی سے اس کا انتظام کیا۔ اللہ تعالی سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

دارالعلوم مجیبیہ میں سالانہ امتحان اور تعطیل کلاں :

دارالعلوم مجیبیہ میں ۴ رشعبان المعظم سے ۱۱ رشعبان المعظم تک سالانہ امتحانات منعقد ہوئے۔ جناب مفتی محمد اسلم امانی صاحب کے زیر نگرانی درجہائے عربی اور جناب حافظ ظل کبریا صدیقی ومفتی مظہر کبریا صدیقی کے زیر نگرانی درجات حفظ وقرأت کے امتحانات بحسن وخوبی انجام پائے۔ اس کے بعد دارالعلوم مجیبیہ رمضان المبارک کی طویل چھٹی میں ۱۱ رشوال المکرم تک بند کر دیا گیا۔ مقامی طلبہ کے لئے درس وتدریس کا سلسلہ ۱۹ ررمضان المبارک تک جاری رہے گا۔ ۱۲ رشوال المکرم سے تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ مقامی وبیرونی طلبہ کا داخلہ ۲۵ رشوال المکرم تک جاری رہے گا۔

جناب شاہ اویس احمد چشتی صاحب کی وفات :

۱۶ رجب ۱۴۴۴ھ مطابق ۸ رفروری ۲۰۲۳ء بدھ کو جناب شاہ اویس احمد چشتی صاحب کی وفات ہوئی۔ وہ حضرت قاضی نورالحسن علیہ الرحمۃ (اولین قاضی امارت شرعیہ) کے نواسے اور حضرت شاہ غلام حسنین چشتیؒ خانقاہ سلیمانیہ پھلواری شریف کے داماد تھے۔ حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحبزادے مولانا شاہ مشہود احمد قادری کے خسر تھے۔ بڑے نیک، متواضع اور خوش اخلاق تھے۔ دینداری اور عبادت گزاری میں ممتاز تھے۔ انہوں نے طویل عمر پائی، جب تک صحت ٹھیک رہی جماعت کے ساتھ سنگی مسجد میں نماز ادا کرتے رہے۔ علالت کا سلسلہ کافی دنوں سے تھا۔ ایک سال سے ذی فراش تھے۔ آخر ۱۶ ررجب ۴۴ھ کو دن میں وفات پائی۔ اسی روز بعد نماز عشاء نماز جنازہ ہوئی اور سنگی مسجد سے متصل قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ اللہ تعالی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

جناب فضائل حسین قادری کے چھوٹے صاحبزادے کی شادی خانہ آبادی :

خاندان قادریہ کے فرد جناب فضائل حسین قادری (سائبان غوث، نزد خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف) کے چھوٹے صاحبزادے انجینئر ناظر حسین قادری کی شادی ۸ رفروری ۲۰۲۳ء کو کلکتہ میں ہوئی۔ مولانا بدر احمد مجیبی نے نکاح پڑھایا۔ خانقاہ مجیبیہ سے مولانا شاہ منہاج الدین قادری اور دیگر لوگ بھی شریک ہوئے اور فضائل حسین قادری کو مبارکباد پیش کی۔ ۱۲ رفروری ۲۳ء کو نعمت محل شادی ہال میں ولیمہ مسنونہ کا انتظام تھا۔ اللہ تعالی نو عروس جوڑے کو خوش وخرم زندگی عطا فرمائے۔

جناب مولانا شاہ مشہود احمد قادری کے بڑے صاحبزادے کی شادی خانہ آبادی :

مولانا شاہ مشہود احمد قادری کے بڑے صاحبزادے انجینئر حبیب احمد قادری کی شادی ۱۸؍مارچ ۲۳ء مطابق ۲۵؍شعبان المعظم ۴۴ھ سنیچر کو ہوئی۔ مولانا بدر احمد مجیبی نے نکاح پڑھایا۔ مہر فاطمی پر نکاح ہوا۔ خاندان کے افراد اور دیگر شرکاء نے مولانا مشہود احمد قادری کو مبارکباد پیش کی۔ دوسرے روز ۱۹؍مارچ مطابق ۲۶؍شعبان کو ولیمہ مسنونہ ہوا۔ خاندان اور باہر کے کافی لوگوں نے شرکت کی اور دعوت کا لطف اٹھایا۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ نو عروس جوڑے کو الفت ومحبت کے ساتھ رکھے اور خوشی ومسرت سے نوازے۔

معمولات خانقاہ بماہ رمضان المبارک :

عرس حضرت مولائے کائنات سیدنا امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ ۲۰؍رمضان المبارک کو بعد نماز ظہر زیارت موئے مبارک نبی کریم ﷺ وموئے مبارک علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ ۲۰؍دن گزار کر شب ۲۱؍کو قل اور مجلس ہوتی ہے۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

₹:100/- ₹:50/-

مسودہ دیجئے ..... کتاب لیجئے

صائمہ پبلی کیشن

احمد مارکیٹ، لنگر ٹولی دریاپور، پٹنہ۔۴

Saima Publication

اچھی کمپوزنگ، سرورق کی ڈیزائنگ

عمدہ طباعت و مستحکم بائنڈنگ کے لئے

آپ اپنے مسودے ہمارے حوالے کریں

کم خرچ پر آپ کی تصنیفات کی جلد اشاعت کا

صائمہ پبلی کیشن وعدہ کرتا ہے۔

رابطہ۔ 8987063281

ISSN 2320-8600 The ALMOJIB Quarterly
Vol.No. :63 | January to March 2023 | Sl.No. : 01
The only most widely circulated Urdu Quarterly of Bihar
Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna - 801505 Bihar (INDIA)
Cell : +91-7250433562, 7903953313, E-mail : almujeebquarterly@gmail.com

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کی دو نئی پیش کش

خانوادۂ مجیبی کے بزرگ عالم دین، ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیمات، اسلامی ادب کے ترجمان
حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبداللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو اہم و گراں مایہ تصنیف

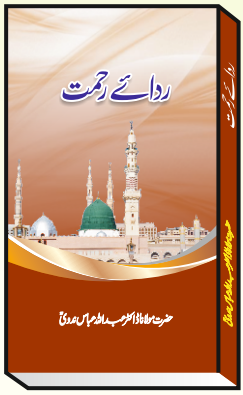

ردائے رحمت

قصیدہ بانت سعاد اور قصیدہ بردہ کی اردو میں شرح و ترجمانی

قیمت مجلد: -/250 غیر مجلد: -/200 روپے

دوسری اشاعت اور

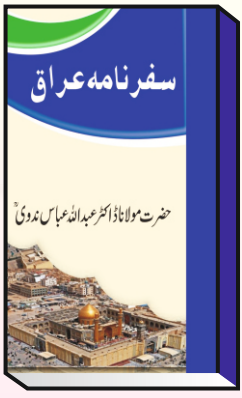

سفرنامۂ عراق

حضرت مصنف کی خود نوشت روداد

قیمت: -/50 روپے

پہلی بار عمدہ کاغذ اور خوبصورت طباعت کے ساتھ
دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ سے شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں۔
دونوں کتابوں پر جناب حضور مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی کے گراں قدر تقدیمات شامل ہیں۔
خواہش مند حضرات دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے حاصل کر کے استفادہ کر سکتے ہیں۔

رابطہ: +91-7250433562, 7903953313

Published by **Mohd. Minhajuddin Mujeebi** on behalf of Darul Esha'at Khanquah Mujeebia,
Editor : Dr. Shah Fatahullah Quadri, Printed at Taj Offset Press, Daryapur, Patna-800004
and Published at Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA)